مغرب کے اُردو لغت نگار

صفدر رشید

مجلسِ ترقیِ ادب ۔ ۲ کلب روڈ، لاہور

پرنٹ لائن

انتساب

داود خالد

اور

لطیف خلجی

کے نام

فہرست

پیش لفظ	۷
ابتدائیہ	۸
لغت نویسی	۱۱
یورپی اقوام کی برِصغیر میں دلچسپی	۱۶
مغرب کے اُردو لغت نگار	۲۷
حواشی و حوالہ جات	۸۵
کتابیات	۸۷

پیش لفظ

ابتدائیہ

جب ''مغرب کے اُردو لغت نگار'' کے موضوع پر کام کا آغاز کیا تو احساس ہوا کہ اس موضوع پر ہماری لائبریروں میں بہت مواد موجود نہیں ہے۔ حامد حسن قادری اور رام بابو سکسینہ کی کتابوں سے معلومات تو حاصل ہو جاتی ہیں لیکن کام پر سیر حاصل تنقیدی جائزہ نہیں ملتا۔ تاہم مولوی عبدالحق نے لغت کبیر کے دیباچہ میں اس موضوع پر تفصیلی بات کی ہے۔ آغا افتخار حسین نے تو ،کہا جا سکتا ہے کہ، حق ادا کر دیا اور وہ اس موضوع پر نہایت اہم چیزیں سامنے لائیہیں ۔ عتیق صدیقی اور ڈاکٹر رضیہ نور کی تحقیقات نے بھی بہت سے بند دروازے وا کیے ہیں۔ راقم کے موجودہ کام کی اتنی اہمیت ضرور ہے کہ مضامین، تبصروں اور کتابوں میں بکھری معلومات کو اس ایک کتاب میں یکجا کر دیا گیا ہے۔

اہلِ یورپ کو ہندوستان میں سب سے زیادہ دقّت قواعد اور لغت سازی کے میدان میں ہوئی، لامحالہ اُنھوں نے اس کی طرف بھر پور توجہ دی۔ گِل کرسٹ سے پہلے چند لوگ اس میدان میں اتر چکے تھے اور انہوں نے اپنے طور پر تھوڑا بہت کام کیا تھا۔ لیکن گل کرسٹ اتنا اہم نام ہے کہ ہم اس ضمن میں دو ادوار بنا سکتے ہیں: قبل از گل کرسٹ اور بعد از گل کرسٹ۔ گل کرسٹ نے سمت بندی کر دی تھی اور پھر اس کے بعد ایک سے بڑھ کر ایک آدمی اس میدان میں اترا۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے اس کتاب میں لغت نگاروں اور اُن کے کام پر جو معلومات فراہم کی ہیں وہ بہت جامع و مانع نہیں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ معلومات دستیاب ہی نہیں۔ بہت سے لغات کے بارے میں صرف گریرسن سے پتہ چلتا ہے اور بہت سے لغات کی حیثیت اب صرف تاریخی اور بقول نذیر آزاد ''درشنی'' ہے۔ تاہم گِل کرسٹ اور اس کے بعد والے اہم افراد مثلاً فیلن، شیکسپیئر، ہنری یول، پلیٹس، ڈنکن فوربز کی لغات، جنہیں امہات اللغات کا درجہ حاصل ہے، پر کافی تنقیدی

کام موجود ہے۔ اِن میں سے تین لغات کا جائزہ تو مقتدرہ قومی زبان سے ہی چھپ چکا ہے۔ مولوی عبدالحق کے مضمون اور دیباچے سے خواہ سرسری سہی مگر لغات کے بارے میں بنیادی معلومات ضرور ملتی ہیں۔ میں نے جہاں کسی لغت کے بارے میں صرف ببلیوگرافیکل معلومات دینے پر ہی اکتفا کیا ہے، وہ زیادہ تر مولوی عبدالحق کے مضامین ہی سے اخذ شدہ ہیں۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اس موضوع پر ایم فل اور پی ایچ ڈی کی سطح کی تحقیق ہو اور اصل مآخذ سے استفادہ کیا جائے۔

محترم افتخار عارف اور ڈاکٹر راشد حمید کا بطور خاص شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے اس موضوع پر کام کرنے کا مشورہ دیا۔ ڈاکٹر عطش درّانی، ڈاکٹر ناصر عباس نیّر اور شبیر احمد خاں میواتی صاحب کے تعاون کا بھی شکرگزار ہوں۔

صفدر رشید

لغت نویسی

ہر ذی روح کسی نہ کسی طرح اپنے جذبات واحساسات کا اظہار کرتا ہے۔انسان کے لیے یہ عمل ایک فطری تقاضا ہی نہیں بلکہ سماجی ضرورت بھی ہے۔زبان انسان کے احساسات وخیالات کی ترجمانی کا سب سے اہم ذریعہ ہے۔اسی طرح زبان کی نشو ونما اور لغت سازی محض ایک علمی ضرورت ہی نہیں بلکہ تہذیبی اور سماجی ضرورت بھی ہے۔

ہر بولی بہت سے تخلیقی مراحل سے گزر کر زبان کا درجہ حاصل کرتی ہے۔سماجی ضروریات، رسوم ورواج،اختراعات وایجادات اور نئے اندازِفکر کی بدولت ذخیرۂ الفاظ اور اسالیب میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔جب کسی زبان میں ایک معقول نثری اور شعری سرمایہ جمع ہوجاتا ہے تو فرہنگوں اور لغات کی بھی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔کربل کتھا کو اردو نثر کی پہلی تصنیف کہا جاتا ہے۔اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اٹھارویں صدی تک ہندوستانی/اردو میں لغات کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ظاہر ہے کہ مغرب کے نو واردوں کو اس نئی زبان کو سمجھنے اور سیکھنے کی ضرورت تھی۔اس لیے فطری طور پر انہوں نے ہی اس طرف توجہ دی۔اس لیے جب گل کرسٹ نے ہندوستانی میں کسی لغت کے بارے میں دریافت کیا تو لوگوں نے حیرت کا اظہار کیا کہ کیا کسی کو اپنی زبان بھی سیکھنے کی ضرورت ہے۔

لغت نویسی کے پس پشت کبھی مذہب کارفرما رہا ہے تو کبھی سیاست اور ادب۔ ابتداء میں تو اس سلسلے میں مذہب ہی سب سے بڑا محرک رہا ہے۔بدھ مت کی تعلیم کی تفہیم کے لیے چینی لغت نویسی کا آغاز ہوا۔ڈاکٹر مسعود ہاشمی لکھتے ہیں:

> ''کہا جاتا ہے کہ چین میں ولادت عیسیٰؑ سے ہزاروں سال قبل ہی لغات کی ترتیب اور تدوین کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا مگر چینی زبان کی سب سے پہلی لغت پہلی یا دوسری صدی عیسوی میں شواوین نے مرتب کی''۔(۱)

اسی طرح ویدک کتابوں میں مشکل الفاظ کی تفہیم کے لیے سنسکرت لغت نویسی کا آغاز نگھنٹوؤں کی شکل میں ۱۰۰۰ ق م ہوا۔ یونانی زبان میں لغت نویسی کا ابتدائی محرک یونان کا کلاسیکی ادب تھا۔ رومی کلیسا کی زبان لاطینی تھی۔ پادریوں اور راہبوں کے لیے لازم تھا کہ بائبل پڑھنے اور دیگر رسومات انجام دینے کے لیے انہیں لاطینی پر عبور ہو۔ جب وہ لاطینی کتابوں کا مطالعہ کرتے تو متن کے اوپر یا نیچے مشکل الفاظ کا انگریزی میں ترجمہ لکھتے۔ اس یک لفظی ترجمے کو Inter linear gloss کہا جاتا تھا۔ انہیں ذولسانی لغت کی ابتدائی شکل کہا جا سکتا ہے۔ بعد میں لاطینی زبان سکھانے کی غرض سے ان Gloss کو اکٹھا کر کے حاشیائی لغات (Glossary) کی شکل میں علیحدہ بھی کیا جاتا تھا۔ اسی طرح کی ایک اہم گلاسری گیارہویں صدی عیسوی کی پہلی دہائی میں ایلفرک (Aelfric) نے مرتب کی تھی۔ ایلفرک نے لاطینی کی گرائمر بھی لکھی تھی اس گلاسری کو The London Vocabulary کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد قرون وسطیٰ میں اس طرح کی گلاسری کی طلب میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ پھر ذولسانی لغات بھی سامنے آنے لگیں مثلاً لاطینی-- انگریزی لغت Hortus Vocabularum ۱۴۳۰ء کے آس پاس اور انگریزی--لاطینی لغت Promptorium Parvulorum ۱۴۴۰ء میں آئی۔

فارسی لغت نویسی کے بارے میں ڈاکٹر رؤف پاریکھ اپنے مضمون میں لکھتے ہیں کہ ”فارسی لغت نویسی کا محرک لسانی رابطے کے علاوہ ادب بھی تھا۔ دوسری صدی ہجری میں فارسی شاعری کے آغاز کے بعد تیسری صدی ہجری میں سب سے پہلے اہل توران نے شعر کے مخصوص لفظوں کی فرہنگ کی ضرورت محسوس کی....“

انگریزی لغت نگاری کی ابتداء کا محرک بھی مذہب ہی ہے۔ انگریزی زبان میں لغت نویسی کا آغاز لاطینی الفاظ کی حاشیائی لغات (Glossaries) کی شکل میں پڑی، یہ حاشیائی لغات، انجیل کے اصل ماخذات، یعنی عبرانی، یونانی، لاطینی وغیرہ تک پہنچنے کی کوشش کے نتیجے میں انگریزی کی ذولسانی لغات کی بنیاد بنیں۔

پندرھویں صدی سے لے کر اٹھارویں صدی تک کی ابتدا تک بہت سی یک زبانی اور ذولسانی لغات سامنے آئیں لیکن تھینیل بیلے (Nathaniel Bailey) کی بہت حد تک جامع اور اصولوں پر مبنی لغت An Universal Etymological English Dictionary ۱۷۲۱ء میں سامنے آئی۔ سیموئل جانسن نے اپنی لغت کی بنیاد اسی لغت پر رکھی۔ اٹھارویں صدی میں انگریزی زبان کے بارے میں علمی و ادبی حلقوں میں بہت فکرمندی تھی۔ اصلاحِ زبان کی باتیں ہو رہی تھیں تاکہ انگریزی کو لاطینی کے غیر ضروری اثرات سے محفوظ رکھا جائے۔ اس ماحول میں یعنی ۱۷۵۵ء میں سیموئل جانسن کی لغت Dictionary of English Language آئی۔ اس نے بہت منظم انداز میں لغت پر کام شروع کیا اور ۱۷۴۷ء میں اس لغت کا منصوبہ شائع کیا۔ جانسن نے اندراجی الفاظ (Head words) کا انتخاب بہت سوچ سمجھ کر کیا۔ اس لغت میں ہر اندراجی لفظ کے لیے املا (Orthography) تلفظ، اشتقاق اور تشریحی جملہ موجود ہے۔

اسی طرح ۱۸۳۶ء میں چارلس رچرڈسن کی لغت A New Dictionary of the English Language بھی سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے۔

۱۸۴۲ء میں فلالوجیکل سوسائٹی کا قیام عمل میں آیا۔ جس کے تحت الفاظ کی تاریخ پر تحقیق کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی اور تاریخی اصول پر مبنی لغت کا منصوبہ بنایا گیا۔ سوسائٹی اور آکسفرڈ یونیورسٹی پریس کے درمیان معاہدہ ہوا جس کے تحت لغت کا پہلا والیم ۱۸۸۷ء میں منظر عام پر آیا۔

عربی زبان میں بھی قرآن و حدیث میں آئے مشکل الفاظ کے معنی یا ان کی تشریح کے لیے لکھی جانے والی فرہنگوں نے باقاعدہ لغت نویسی کی بنیاد ڈالی۔ ہندوستان بہت سی اقوام اور مذاہب کی آماجگاہ رہا ہے۔ سنسکرت لغت نویسی کا ذکر ہو چکا۔ پھر مسلمانوں اور مغربی اقوام کی آمد نے ہندوستان کی زبانوں پر اثرات ڈالے اور عربی، فارسی اور انگریزی زبانوں میں

فرہنگیں، نصاب نامے اور لغات آنی شروع ہوئیں۔

ڈاکٹر رؤف پاریکھ اُردو لغت نویسی کو تین مراحل میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلا مرحلہ وہ ہے جب اردو کے الفاظ اور محاورات اپنی اصل شکل یا ذرا مختلف شکل میں برِصغیر میں لکھی جانے والی فارسی کتابوں یا لغات میں شامل ہو رہے تھے۔ دوسرا مرحلہ وہ ہے جب اردو اور فارسی کی آمیزش کے بعد اردو اپنی علیحدہ ادبی زبان کی شکل میں ظاہر ہونے لگی۔ اس دور میں وہ فرہنگیں اور تعلیمی نصاب سامنے آیا جن میں فارسی اور اردو استعمال ہوتی تھیں۔ ان نصابوں کا مقصد بچوں کو عربی اور فارسی الفاظ کے اردو مترادفات سے واقف کرانا تھا۔ یہ تعلیمی نصاب یا منظوم لغات اردو لغت نویسی کا دوسرا مرحلہ ہیں۔ خالق باری کے بعد اسی طرح کے لغاتی نصاب ناموں کی ایک طویل فہرست ہے۔ تیرہویں صدی ہجری میں تقریباً تمام موضوعات پر مشتمل نصاب نامے لکھے گئے۔ مثلاً خالق باری اکرم، صفت باری، اللہ باری وغیرہ۔ ان لغات ناموں کی تالیف کا سلسلہ تقریباً بیسویں صدی عیسوی کے آغاز تک رہا۔ ایسے نصاب نامے بھی تالیف ہوئے جن کا مقصد تدریسی یا نصابی نہیں تھا۔

تیسرا مرحلہ ملّا عبدالواسع ہانسوی کی ''غرائب اللغات'' سے شروع ہوا۔ بلکہ یہاں سے اردو لغت نویسی کا با قاعدہ آغاز ہوا۔ یہ اردو -- فارسی لغت ہے۔ پھر غرائب اللغات و سراج الدین علی خان آرزوؔ نے تصحیح و ترمیم کے بعد ''نوادر الالفاظ (۱۷۵۰ء) کے نام سے مرتب کیا۔ ۱۸۳۳ء میں مولوی محمد مہدی واصفؔ کی دلیل ساطع فارسی -- اردو لغت سامنے آئی۔ ۱۸۳۷ء میں مولوی اوحد الدین بلگرامی نے نفائس اللغات مدوّن کی۔ اس میں اندراجی لفظ اردو میں ہے اور تشریح فارسی میں ہے اور ان کے عربی اور فارسی مترادفات بھی دیے گئے ہیں۔ ڈاکٹر مسعود ہاشمی لکھتے ہیں کہ اس سے پہلے اردو فارسی لغات میں اندراجی الفاظ کی بجائے ان کے عربی اور فارسی مترادفات کا املا اور تلفظ کی وضاحت کی جاتی تھی اور پھر صرف ہندی اصل والے اردو الفاظ کو ہی بنیادی اندراجات کی حیثیت میں شامل کیا جاتا تھا۔ جبکہ اس لغت میں وہ تمام عربی و فارسی الفاظ شامل کیے

گئے جو کہ اردو میں مستعمل تھے۔

راقم کی رائے میں ''اردو لغت (تاریخی اصول پر)'' کو اردو لغت نگاری کے چوتھے دور سے موسوم کیا جا سکتا ہے، کیونکہ یہ اردو کی پہلی لغت ہے جس میں اندراجی الفاظ کی وضاحت کے لیے تشریحی جملہ موجود ہے، ہر لفظ کے لیے تین ادوار سے مثالیں پیش کی گئیں، اسناد پر خصوصی توجہ دی گئی ہے، وغیرہ۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ کام ایک ادارے کے سپرد ہے جو اس خاص شعبے سے وابستہ بیسیوں افراد کی خدمات حاصل کر رہا ہے اور ایک واضح نظام وضع کیا گیا ہے۔ اس ایک لغت کے علاوہ اُردو لغت نویسی آج کہاں کھڑی ہے؟ اصولی طور پر اُردو لغت نویسی نصاب ناموں کا ہی تسلسل ہے، جس میں ہمیں مترادفات کے جنگل میں تنہا چھوڑ دیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اندراجی الفاظ کے اصول مقرر نہیں۔ کیا محاورے اور ضرب الامثال بطور اندراجی الفاظ آئیں گے؟ نئے الفاظ لغت کا حصہ کیسے بنیں گے؟ کون سے الفاظ لغت باہر ہوں گے؟ کیا اُردو لغت نگاروں نے کارپس (CORPUS) کی طرف توجہ دینی شروع کی ہے؟ جب اِن سوالوں کے جواب تلاش کرنے کی کوشش کی جائے گی تو معلوم ہوگا کہ ہم ابھی نصاب ناموں کے اثر سے باہر نہیں آئے اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لغت سازی ابھی تک فردِ واحد کا ہی کام سمجھا جاتا ہے۔ ہمیں انگریزی لغت نویسی سے بہت کچھ سیکھنا ہے، بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اہل افراد کو ترقی یافتہ ممالک میں لغت سازی کے مختلف مراحل میں تربیت حاصل کرنے کے لیے بھیجا جائے۔ اُردو لغت بورڈ اور مقتدرہ قومی زبان اس ضمن میں کچھ پراجیکٹ مشترکہ طور پر بھی کر سکتے ہیں۔

یورپی اقوام کی برِصغیر میں دلچسپی

یورپی اور خصوصاً انگریزوں کے برِصغیر میں آنے کے اسباب اور اس کے اثرات کو پورے طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ایک نظر میں برِصغیر کی پوری تاریخ دیکھ لی جائے۔ ہمارے ہاں نوآبادیاتی دور کے بارے میں دو انتہائی نقطہ ہائے نظر موجود ہیں۔ ایک طبقہ اسے ایک نعمت سے کسی طور کم نہیں سمجھتا۔ اُس کی رائے میں برِصغیر ہمیشہ سے ہی جہالت کا گہوارہ اور بدامنی کا شکار رہا ہے اور مغل حکمرانوں نے محض مقبرے اور محل تعمیر کروائے۔ دوسرا طبقہ اپنی ساری تاریخ کو فخر سے دیکھتا ہے اور سامراجی ممالک کو اپنی بربادی کا اصل ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔

جہاں تک اردو زبان و ادب پر انگریزوں کی پالیسیوں کے اثرات کا تعلق ہے تو ہمیں انہیں اپنا محسن ماننا پڑے گا، خواہ ان کے محرکات سیاسی، تجارتی یا مذہبی ہی کیوں نہ ہوں۔ اردو میں موجود توانائی کو انہوں نے ہی پہچانا اور اس کی ترویج کے لیے ادارے قائم کیے۔ قواعد اور لغت سازی کی تو بنیاد ہی انہوں نے ڈالی۔ اگر آج اُردو ایک بین الاقوامی زبان کا درجہ رکھتی ہے تو اس میں اُن کی شعوری کوششوں کا بہت عمل دخل ہے۔ اردو کو جتنا فائدہ غیروں نے پہنچایا شاید اتنا اپنوں نے نہیں پہنچایا۔ گل کرسٹ، گریرسن، گارساں دتاسی، وغیرہم جیسے لوگوں کو ہم اپنا محسن خیال کرنے میں حق بجانب ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ اسی دور میں اس بات کی بھی شعوری کوشش کی گئی کہ ہمیں خود اپنی ہی نظروں میں گرایا جائے، ہماری تہذیب اور تاریخ کو ہمارے سامنے دھندلا کر کے پیش کیا جائے۔ ایسا کرنا ہر نوآبادیاتی نظام کی مجبوری ہوتا ہے، بصورت دیگر وہ اپنے استحصال کو جاری نہیں رکھ سکتے۔ بقول ناصر عباس نیّر برصغیر کی ثقافت کو تہی داماں، ذہن کو جامد اور معاشرت کو زوال پذیر قرار دینے کا آغاز انگریزوں نے کیا۔ مغرب اور ہند کے مابین تعلق کو ڈاکٹر صاحب نے خوبصورتی سے بیان کیا ہے اور ان چند جملوں میں انہوں نے بہت سے

سوالات کے جواب بھی دے دیے ہیں:

''مغرب اور ہند کے روابط قدیم زمانے سے ہیں۔ ان روابط کی ''استواری'' میں زیادہ ہاتھ مغرب کا ہے۔ ہر چند تیسری صدی قبل مسیح، عہد اشوک اعظم میں ایک ہندستانی قافلہ مغرب کی سمت عازم سفر ہوا تھا، مگر اس سفر کی نوعیت اُن اسفار کی نوعیت سے یک سر مختلف تھی، جو مغرب نے ہند کی طرف کیے۔ یہ سفر تبلیغی تھا۔ بدھ مشنریوں کو جانب مغرب بھیجا گیا تھا۔ جب کہ اہلِ مغرب (اور یہاں مراد یورپی ہیں) ہندستان کے جنوبی ساحل، مالا بار پر خالصتاً تجارتی غرض سے، لنگر انداز ہوتے رہے۔ ہر چند ان کے ساتھ یا ان کے بعد عیسائی مشنری بھی آئے، مگر ان کی تبلیغی سرگرمیاں، تجارتی سرگرمیوں کی کامیابی سے مشروط ہوتیں۔ ہند کے مغرب کی طرف اور مغرب کے ہند کی طرف سفر کے مقاصد کا فرق، دونوں خطوں کی ذہنیتوں اور تہذیبوں کا بھی فرق ہے۔ ہند قدرتی وسایل، زرعی زرخیزی اور قابل رشک تہذیبی و علمی روایت کا علم بردار رہا ہے۔ بنا بریں اُسے باہر کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ صرف یہی نہیں سوائے یورپیوں کے جتنی اقوام یہاں آئیں ہند میں بسنے کے بعد انھیں ہند سے باہر اور واپس جانے کا خیال نہیں آیا۔'' (۲)

تاریخِ برِصغیر

کیا محض جغرافیائی تلاش اور دریافت ان قوموں کی مختلف مہموں کا سبب بنی۔ راس امید کا راستہ دریافت ہونے سے صدیوں پیشتر یورپی ملکوں سے ہندوستان کے تجارتی تعلقات قائم تھے۔ پھر ان قوموں کا ہندوستان کے متعلق اچانک اس قدر پریشان ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔
نشاۃ ثانیہ نے یورپ کے مقید ذہن کو وسعت کا راستہ دکھایا۔ اس نے تلاش اور جستجو کرنے

والوں کو نئی دنیا بخشی۔ پندرھویں صدی کے نصف تک زمین کے متعلق یورپی قوموں کی معلومات بہت کم تھیں لیکن تجارتی ضروریات نے انہیں مجبور کر دیا تھا کہ وہ زمین کے متعلق اپنے نظریہ پر نظر ثانی کرتے۔

ایشیا اور یورپ میں تجارتی تعلقات ازمنۂ قدیم سے چلے آتے ہیں۔ قدیم تجارتی راستوں میں شام کا راستہ سب سے پرانا ہے۔ صدیوں تک ہندوستان اور مشرق بعید کی مصنوعات خلیج فارس کے راستہ سے فونیشیا پہنچتی رہیں۔ منگولی اور تاتاری حملوں نے اس تجارتی شاہراہ کو بند کر دیا۔ دریائے نیل کے راستہ سے ہندوستانی مصنوعات اسکندریہ پہنچ کر وینس اور جنیوا کے ذریعے مختلف مغربی ملکوں میں جاتی تھیں۔ ترکی فتوحات نے جب بحیرۂ روم کو ایک ترکی جھیل میں بدل دیا تو یورپیوں کے لیے بحیرۂ روم میں جہاز رانی ناممکن ہوگئی۔ وینس کی تجارتی منڈی سے ہسپانیہ اور پرتگال کو بہت کم فائدہ تھا۔ چنانچہ دونوں ملک ہندوستان کا نیا راستہ دریافت کرنے میں مصروف ہوگئے۔ کولمبس، ہندوستان کی جستجو کرتا ہوا امریکہ جا پہنچا۔ ہسپانیہ اور پرتگال میں بحری مہموں کا آغاز ہوا۔ ان مہموں کے اسباب محض معاشی ہیں۔ ان آبی انسانوں میں تقدیر آزمائی کی روح بھی کارفرما تھی۔ معاشی مفاد، جغرافیائی معلومات اور عرب دشمنی کے لیے کشتیوں کے بادبان پھیلا دیئے گئے۔ سائنس اس تڑپ کی تکمیل کا ذریعہ بنی۔

واسکوڈے گاما ایک عرب ملاح کی مدد سے راس امید کا چکر کاٹتا ہوا ہندوستان کے ساحلی مقام کالی کٹ پہنچا۔ ہندوستان نے اپنی روایتی مہمان نوازی کے پیش نظر اس نووارد کا استقبال کیا۔ پرتگیزوں نے کالی کٹ میں ایک فیکٹری قائم کی۔ تین سال بعد کالی کٹ کے سینہ پر ایک پرتگیزی قلعہ نظر آیا۔ تھوڑی مدت بعد پرتگیزی علم گوا کی دیواروں پر لہرایا۔

پرتگیزی آخر اس ملک کے ساحل پر پہنچ گئے۔ جس کی دولت کے افسانے سکندر کے زمانے سے یورپ میں سنے جا رہے تھے۔ ہندوستان ایک وسیع ملک ہے۔ یہ ملک اتنا بڑا ہے کہ اسے چھوٹا براعظم کہا جاتا ہے۔ ہندوستان اپنی زرخیزی کی وجہ سے غیر قوموں کو اپنی طرف مائل کرتا رہا۔

صدیوں تک جنوبی قوموں کا تمدن شمالی ہندوستان کو متاثر کرتا رہا۔

مختلف قوموں کے یہاں آنے سے ہندوستان میں مختلف تمدنوں کا ایک مجموعہ تیار ہوگیا۔ کول اور بھیل اقوام نے ہندوستان کو اپنا گھر بنایا۔ صدیوں بعد دراوڑوں نے ان قوموں کو جنوب کی طرف دھکیل دیا۔ دراوڑ ابتدا میں شمالی ہندوستان میں آباد ہوئے لیکن آریوں نے ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جو وہ کولوں اور بھیلوں سے کر چکے تھے۔ آریوں نے دراوڑوں کو شمالی ہندوستان سے نکال دیا۔ وہ جنوبی ہندوستان میں چلے گئے۔

سکندر نے بھی ہندوستان کا رخ کیا۔ یونانی تہذیب نے شمالی ہندوستان کو متاثر کیا۔ چوتھی صدی عیسوی میں گپت سلطنت قائم ہوئی۔ گپت خاندان کے عہد حکومت میں ہندوستانی علوم و فنون اور صنعت و حرفت نے خوب ترقی کی۔ ہندوستان اور روم میں تجارتی تعلقات قائم ہوئے۔ جنوبی ہندوستان کے لوگوں نے جاوا اور سماٹرا میں اپنی نوآبادیاں قائم کیں۔ گپت خاندان کے زوال کے بعد ہندوستان پھر بیرونی حملہ آوروں کا شکار ہوا۔ اب کے ہن قوم نے شمالی ہندوستان کو تاخت و تاراج کیا۔ ساتویں صدی میں ہرشہ نے ہندوستان کو متحد کرنے کی کوشش کی۔ ہرشہ کی موت کے بعد ہندوستان کی مرکزیت ختم ہوگئی۔

معاشی بے چینی اور طبقاتی کش مکش نے عباسیوں کی وسیع سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ مرکز کے کمزور ہوتے ہی سلطنت میں بہت سی آزاد ریاستیں قائم ہوگئیں۔ ان میں سے غزنی بھی ایک ریاست تھی۔ اس ریاست کے حکمران سبکتگین کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے محمود کے عہد میں شمال کی طرف سے ہندوستان پر پھر حملہ ہوا۔ پرانے حملہ آوروں کی طرح انہیں بھی کامیابی ہوئی۔ یہ حملہ آور بھی ہنوں، ساکوں اور یوچیوں کی طرح ہندوستان میں آباد ہوگئے لیکن اب کے یہ حملہ آور اپنے ہمراہ ایسی خصوصیات اور ایسا تمدن لائے تھے کہ وہ ہندومت میں جذب نہ ہو سکے۔ محمود کے حملوں سے تین سو سال پہلے عرب سندھ پر قبضہ کر چکے تھے۔

ہندوستان بے شمار چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ گیا۔ محمود کے سپاہیوں کے لیے ان

ریاستوں کو شکست دینا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔محمود غزنوی کے ڈیڑھ سو سال بعد محمد غوری نے ہندوستان پر حملے کیے۔ایبک نے دہلی پر قبضہ کرلیا۔غلاموں نے چنگیزی حملوں سے ہندوستان کو بچایا۔تیموری حملے نے تغلقوں کو ختم کر دیا۔ ہندوستان کی مرکزیت ختم ہوگئی۔ جا بجا آزاد ریاستیں قائم ہوگئیں۔ان آزاد ریاستوں میں نیا ہندوستانی تمدن پھلا پھولا۔لودھیوں کے عہد میں پرتگیزی ہندوستان میں آئے۔ابراہیم لودھی کو بابر نے شکست دے کر ہندوستان میں مغلیہ سلطنت قائم کر دی۔

تیمور کے حملے نے سلطنت دہلی کو تباہ و برباد کر دیا۔اس حملے کے بعد ہندوستان میں بہت سی آزاد ریاستیں قائم ہوگئیں۔ان ریاستوں میں علم و حکمت نے خوب ترقی کی۔ بنگال کے مسلمان حکمرانوں نے بنگالی کو اس وقت فروغ دیا جبکہ سنسکرت کے حامی ہندو بنگالی زبان کی مخالفت کرتے تھے۔کم و بیش اسی زمانہ میں پرتگیزی ہندوستان میں آئے تھے۔

ظلم و ستم میں پرتگیزی سمندر کے چنگیزی تھے۔کالی کٹ کے باشندوں پر ظلم توڑنے کے علاوہ حاجیوں کے جہازوں کو لوٹتے اور زائروں کو قتل کرتے۔ گجرات کا بادشاہ بحری لڑائیوں میں انہیں شکست نہ دے سکا۔ پرتگیزوں نے ہندوستان میں بے پناہ مظالم کیے۔ ہندوستان کے ساحل پر پرتگیزوں نے قیامت برپا کر رکھی تھی لیکن دہلی کو اس کی کوئی خبر نہیں تھی۔

ہندوستان میں پرتگیزی دور لرزہ خیز مظالم کی ایک طویل داستان ہے۔ ہندوستان میں شاہجہان نے پرتگیزی قوت کا خاتمہ کر دیا۔ ہسپانیہ اور پرتگال کی روز افزوں دولت کو دیکھتے ہوئے یورپ کی تمام قومیں امریکہ اور ہندوستان پر ٹوٹ پڑیں۔ ڈین، ولندیز، انگریز، فرانسیسی اور جرمن اس تگ و دو میں شامل تھے۔

مغلوں کی سلطنت

پندرھویں صدی کے نصف میں دہلی کی مرکزیت ختم ہو چکی تھی۔ دکن، گجرات، مالوہ،

جونپور اور بنگال میں آزاد بادشاہتیں قائم ہو چکی تھیں۔ پنجاب پر بہلول خان لودھی حکمران تھا۔ دہلی کی ''سلطنت'' شہر فصیل سے بارہ میل دور تک سمٹ چکی تھی۔

اکبر کی وفات پر سلیم، جہانگیر کے لقب سے تخت نشین ہوا۔اس وقت مغلیہ سلطنت پندرہ صوبوں میں منقسم تھی۔ ہر صوبہ کا گورنر سپہ سالار کہلاتا تھا۔سپہ سالار کو دیوانی اور فوجداری اختیارات حاصل تھے۔

جہانگیر نے ۱۶۱۲ء میں پرتگیزوں سے ایک معاہدہ کیا۔ایک سال بعد پرتگیزوں نے عہد شکنی کی۔انہوں نے سورت کی بندرگاہ کے قریب چند جہازوں کو لوٹ لیا اور سورت کے قلعہ پر قبضہ کرنا چاہا لیکن پرتگیزوں کو شکست ہوئی۔ ایک سال بعد انگلستان کے بادشاہ جیمز اوّل کی سفارت آگرہ میں پہنچی۔انگریزی سفیر سر طامس تین سال جہانگیر کے دربار میں رہا۔

شاہ جہاں کا عہد حکومت پرامن تھا۔ اس کے بعد اورنگ زیب نے پچاس سال تک حکومت کی۔اس طویل مدت میں اورنگ زیب نے زبردست نظم و نسق قائم کیا۔

باری علیگ لکھتے ہیں کہ ہندوستان پرانے زمانہ میں صنعتی ملک تھا۔اس زمانہ میں زراعت اور صنعت ایک ساتھ ترقی پر تھی۔ ہندوستان کی بہت سی قیمتی اشیاء دوسرے ملکوں میں فروخت ہوتی تھیں۔ ہندوستانی مصنوعات کو ہندوستان کے تاجر ہندوستانی جہازوں میں لاد کر دور دراز ملکوں تک لے جاتے تھے۔ ہندوستان میں آریوں کی آمد سے پہلے ہندوستان کی دوسرے ملکوں سے تجارت شروع ہو چکی تھی۔فراعنہ مصر کے مقبروں میں ان کی نعشیں ہندوستان کی باریک ململ میں لپٹی ہوئی پائی گئیں۔ ہندوستانی صنعت و حرفت کی یہ ترقی آریائی دور میں اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ پلینی کو یہ کہنا پڑا تھا کہ روم کی بہت سی دولت ہندوستان کی طرف بہی چلی جا رہی ہے۔ ہندوستان اپنی ضروریات کا خود کفیل تھا۔ جب یونان اور روم میں تہذیب اپنے ابتدائی مدارج طے کر رہی تھی۔ تب ہندوستان مال و دولت کا مرکز بن چکا تھا۔مشرق و مغرب کے سارے ملکوں میں ہندوستانی مصنوعات فروخت ہوتی تھیں۔اس تجارت برآمد نے ہندوستان کو سونے کی چڑیا بنا دیا

تھا۔افغانوں اور مغلوں کے دور میں ہندوستان نے صنعت وحرفت میں بہت زیادہ ترقی کی۔محمد تغلق نے دہلی میں سوتی کپڑے کا ایک کارخانہ قائم کیا تھا جس میں پانچ ہزار کاریگر کام کرتے تھے۔دنیا کے ہر ملک کے تاجر ہندوستان سے تجارت کرتے تھے۔مہذب دنیا میں ڈھاکہ اور مرشد آباد کی ململ کا استعمال عظمت اور برتری کا ثبوت تھا۔ یورپ کے ہر ملک میں ان دوشہروں کی ململ اور چکن بہت زیادہ مقبول تھی۔ ہندوستان کی دوسری صنعتوں کی نسبت پارچہ بافی کی صنعت کو کمال حاصل تھا۔اٹھارویں صدی میں ان کپڑوں کی انگلستان میں اتنی مانگ ہوگئی تھی کہ اسے بند کرنے کے لیے حکومت کو بھاری ٹیکس لگانے پڑے تھے۔ پارچہ بافی کے علاوہ لوہے کے کام میں بھی ہندوستان بہت زیادہ ترقی کر چکا تھا۔اورنگ زیب کے عہد میں ملتان میں جہازوں کے لیے لوہے کے لنگر ڈھالے جاتے تھے۔ جہاز سازی میں بنگال نے بہت ترقی کر لی تھی۔ انیسویں صدی کے آغاز تک ہندوستان صنعت وحرفت میں انگلستان سے بڑھا ہوا تھا۔انگلستان کے لیے تجارتی اور جنگی جہاز ہندوستان میں تیار ہوتے تھےلیکن انیسویں صدی کے بعد ہندوستان کی برآمد میں کمی ہونا شروع ہوئی اوراس کی درآمد میں ہر سال اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ برآمد برائے نام رہ گئی اور ہندوستان محض درآمدستان بن کر رہ گیا۔اورنگ زیب کے عہد میں سورت اوراحمد آباد سے جو مال باہر بھیجا جاتا تھا اس سے تیرہ لاکھ اور ایک سوتین روپیہ سالانہ چنگی کے ذریعہ وصول ہوتا تھا۔

گیارھویں صدی سے انیسویں صدی کے وسط تک ہندوستان تجارتی حیثیت سے بہت نمایاں تھا۔اس دور میں انگلستان سے جاپان تک ہندوستانی مال فروخت ہوتا تھا۔اٹھارویں صدی کے شروع میں مغلیہ سلطنت میں زوال کے آثار پیدا ہوگئے۔ان آثار انحطاط کو یورپی قوموں نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا، چنانچہ انہوں نے ہندوستان پر قبضہ جمانے کا ارادہ کرلیا۔ہندوستان کی صنعتی برتری کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ اسے ختم کرنے میں سوسال صرف ہوئے۔

پرتگال کے بعد ہالینڈ نے بھی ہندوستان سے تجارت کرنے کے لیے جدوجہد شروع کی۔

ولندیزوں نے بھی پرتگیزوں کی دریافت کردہ راہ سے ہندوستان کے ساتھ تجارت شروع کردی۔ پرتگال نے ہالینڈ کی مزاحمت کی۔سولھویں صدی میں پرتگال، ہندوستان کی تجارت کا اجارہ دار بن گیا۔سترھویں صدی کے شروع میں ہالینڈ میں ایک بہت بڑی تجارتی کمپنی بنائی گئی۔اس زمانہ میں ہالینڈ والے یورپ کے سب ممالک کے مقابلہ میں فن جہازرانی و جہاز سازی میں بڑے ماہر تھے،اس لیے انگریزوں کے لیے ان کو مغلوب کرنا آسان نہ تھا۔ان لوگوں نے چند سال میں اکثر جزیروں سے اہل پرتگال کو نکال کر مصالحہ کی تجارت پر قبضہ کرلیا،لیکن ہالینڈ والوں کی زیادہ توجہ جزائر کے قبضہ کی جانب اور مصالحہ کی تجارت کی طرف رہی اور مشرقی حصوں میں اپنی نوآبادیاں قائم کرتے رہے۔اب ولندیزوں نے پرتگیزوں کے مقبوضات پر قبضہ کرنا شروع کیا۔مشرقی تجارت پر اب پرتگیزوں کی جگہ ولندیزوں کا قبضہ تھا۔ڈنمارک نے بھی تقدیر آزمائی کی۔انگریز اور فرانسیسی بھی میدان میں اتر پڑے۔

اہل فرانس نے جب اندازہ کرلیا کہ انگریزوں کے مقابلے میں ان کی تجارت کامیاب نہیں ہوسکتی تو انھوں نے تجارت کا خیال چھوڑ کر حکمرانی کی طرف توجہ کی۔ ۱۷۳۵ء میں ڈیوما فرانسیسی نوآبادیوں کا گورنر ہوکر آیا۔اس نے دیکھا کہ ہندوستان میں کوئی مرکزی حکومت باقی نہیں ہے اور انگریزوں کی بڑی توجہ تجارت کی طرف ہے، ڈیوما نے تہیہ کرلیا کہ فرانسیسی حکومت قائم کردی جائے۔ڈیوما کے بعد ڈوپلے گورنر ہوا۔ اس نے ہندوستان کے راجاؤں اور نوابوں کے باہمی تنازعہ اور ملکی شورش میں حصہ لینا شروع کردیا۔

اتنے میں ۱۷۴۶ء میں فرانس اور انگلستان کے درمیان یورپ میں جنگ شروع ہوگئی۔ چنانچہ ہندوستان میں بھی یہ دونوں لڑنے لگے اور وہاں کی صلح کے ساتھ یہاں بھی صلح ہوگئی۔اس سے دس سال بعد ۱۷۵۶ء میں پھر یورپ میں یہ دونوں ملک باہم جنگ آزما ہوئے۔ پھر ہندوستان میں جنگ کے ساتھ جنگ اور صلح کے ساتھ صلح ہوئی۔اب انگریز وفرانسیسی ہندوستان کی حکومت حاصل کرنے کے لیے لڑ رہے تھے۔ ہندو اور مسلمان ریاستوں اور صوبہ داروں میں باہمی

مخالفت اور جنگ و جدل جاری تھی۔ انگریزوں اور فرانسیسیوں نے ان کی حمایت شروع کر دی۔ کسی کے طرف دار انگریز ہوگئے، کسی کے فرانسیسی اور اس طرح حکومت حاصل کرنے کے لیے اپنے اپنے داؤ لگانے لگے۔ آخر ۱۷۹۹ء میں ٹیپو سلطان کی شہادت نے اہلِ فرانس کو ہمیشہ کے لیے مایوس اور انگریزوں کو کامیاب بنا دیا۔

تاریخ برطانیہ وایسٹ انڈیا کمپنی

ملکہ الزبتھ کے عہد میں انگریز تاجروں نے ہندوستان سے تجارتی تعلقات پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اس زمانہ میں ہندوستان کی تجارت پر ولندیزوں کا قبضہ تھا۔ انگریزوں اور ولندیزوں میں مشرق کی تجارت کے لیے باہمی لڑائی ایک یقینی بات تھی۔ تاجروں کے جہازی قافلے ایک دوسرے کو لوٹ لینا تجارت خیال کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان سے تجارت کے لیے بہت سے تاجر مل کر کمپنی بناتے اور حکومت سے تجارت کرنے کے لیے فرمان حاصل کرتے۔ لندن کے تاجروں نے ملکہ الزبتھ سے درخواست کی کہ ان کی تجارتی کمپنی کو ہندوستان سے تجارت کرنے کی اجازت دی جائے۔ ملکہ کے ایک فرمان کی رو سے اس کمپنی کو پندرہ سال کے لیے ہندوستان سے تجارت کرنے کا اجارہ مل گیا۔ ملکہ کے فرمان کا مقصد قوم کی ترقی، جہازوں کی تعمیر اور ذرائع آمد و رفت کی توسیع قرار دیا گیا۔

ملکہ الزبتھ کے بعد جیمز اوّل نے اس کمپنی کے معاملات و مسائل میں بہت زیادہ دلچسپی لی۔ اس نے ایک نئے فرمان کی رو سے اس کمپنی کو مشرقی تجارت کا دوامی اجارہ دار بنا دیا۔ انگلستان کا کوئی دوسرا تاجر ذاتی طور پر مشرقی ملکوں کے ساتھ تجارت نہیں کر سکتا تھا۔ جیمز کے اس فرمان کی انگلستان میں مخالفت شروع ہوگئی۔

جیمز نے جہانگیر کے دربار میں اپنا سفیر بھیجا تا کہ دونوں ملکوں کے درمیان کوئی تجارتی معاہدہ ہو سکے۔ انگریزی سفیر سر طامس دو تین سال تک ہندوستان میں رہا۔ اس مدت میں شاہی

فرمان کی رو سے انگریزوں کی تجارتی کمپنی کو سورت میں فیکٹری اور اس کے ارد گرد فصیل بنانے کی اجازت مل گئی۔ ایک دوسرے فرمان کی زد سے جہانگیر نے انگریز کمپنی کو اپنی سلطنت میں تجارت کرنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ اسی زمانہ میں آگرہ، اجمیر، احمد آباد اور بھرانچ میں انگریزوں کی تجارتی کوٹھیاں قائم ہوگئیں۔ جیمز کے عہد میں کمپنی اپنا کاروبار کرتی رہی۔

جیمز کے بعد چارلس اوّل کے عہد میں کمپنی کو بہت سی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے ہالینڈ کی تجارتی کمپنی سے ساز باز کر کے، انگریزی کمپنی کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ چارلس نے کمپنی کے نام جو دوامی اجارہ کا فرمان تھا، اسے منسوخ کر دیا۔ اب ہر تاجر کو مشرق سے تجارت کرنے کی اجازت تھی۔ چارلس اس کمپنی کا سرپرست تھا۔ ہالینڈ کی تجارتی قوت کے سامنے انگلستان کی پہلی کمپنی نہیں ٹھہر سکتی تھی۔ باہمی رقابت نے کمپنی کے لیے مزید مشکلات پیدا کر دیں۔ چارلس کو اب اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس نے نئی کمپنی توڑے بغیر پرانی کمپنی کی مخالفت ترک کر دی۔ پرانی کمپنی یعنی ایسٹ انڈیا کمپنی نے نئی کمپنی کو اپنے ساتھ شامل کر لیا دونوں کمپنیوں کے حصہ داروں کی مخالفت بدستور سابق جاری رہی۔

نئے نئے تاجروں کی باہمی رقابت سے انگلستان کو نقصان پہنچنے لگا تو کرامویل نے کمپنی کو بلا شرکت غیرے ہندوستان اور مشرق میں تجارت کرنے کا فرمان دے دیا۔ چارلس اوّل کے عہد میں ہندوستان میں انگریزوں نے بہت سے مقامات پر تجارتی کوٹھیاں قائم کیں۔ چارلس دوم کے عہد میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے خوب دولت پیدا کی۔ اس نے ایک پرتگیزی شہزادی سے شادی کی۔ یہ شہزادی اپنے جہیز میں جو جزیرہ لائی اسے چارلس دوم نے کمپنی کے ہاتھ دس پونڈ سالانہ لگان پر فروخت کر دیا۔ اس جزیرے نے بعد میں بمبئی کی صورت اختیار کی۔

اس زمانہ میں کمپنی نے ہندوستان میں بہت سی زیادتیاں شروع کر دی تھیں۔ سورت میں کمپنی نے اودھم مچا رکھا تھا۔ اورنگ زیب کے سپہ سالار نے انہیں سورت میں شکست دی۔ اس شکست کے بعد کمپنی کے ایک وفد نے اورنگ زیب سے اپنے گزشتہ افعال کی معافی مانگی۔ اس پر

اورنگ زیب نے کمپنی کو ایک فرمان لکھ دیا جس کی رو سے کمپنی کو مغلیہ سلطنت میں تجارت کرنے کی اجازت مل گئی۔ اس فرمان میں اورنگ زیب نے کمپنی کو اس بات کے متعلق آگاہ کر دیا کہ اگر اسے آئندہ صوبے داروں سے کوئی شکایت ہو تو اس کی شہنشاہ کو اطلاع دیا کرے۔

جب کمپنی کی ان بد اعمالیوں کا پتہ چلا تو انگلستان میں اس کی مخالفت شروع ہو گئی۔ اس کمپنی کا اجارہ ٹوٹ گیا اور اس کے مقابلہ پر ایک نئی کمپنی میدان میں نکل آئی لیکن ہندوستان انگریزوں کی دو کمپنیوں کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ دونوں کمپنیوں کو نقصان اٹھانا پڑا۔ اس نقصان نے دونوں کو متحد کر دیا۔ اب ''متحدہ ایسٹ انڈیا کمپنی'' کے نام سے دوبارہ کام شروع ہوا۔ اب کمپنی بادشاہ کی جگہ پارلیمنٹ کے ماتحت ہو گئی۔

کمپنی بہت جلد تجارت کے ساتھ سیاست کے میدان میں بھی اتر پڑی۔ اب اس کے پیش نظر تجارت اور ملک گیری تھی۔ یہ ملک گیری قائم رہی یہاں تک کہ ملکہ وکٹوریہ کے ایک فرمان نے اس کی سیاسی قوت کو ختم کر دیا۔

شہنشاہ اورنگ زیب کی وفات (۱۷۰۷ء) کے بعد مغلیہ سلطنت بالکل لڑکھڑانے لگی۔ مرہٹے زور پکڑ گئے اور پنجاب پر قابض ہو گئے۔ اودھ، بنگال، دکن کے صوبے آزاد ہو گئے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس حالت سے فائدہ اٹھایا۔ اگرچہ دہلی میں بادشاہ موجود تھا لیکن حکومت دراصل انگریزوں کی تھی۔ چنانچہ یہ نعرہ عام ہو گیا تھا: ''ملک بادشاہ کا، حکم کمپنی بہادر کا۔''(۳)

مغرب کے اُردو لغت نگار

جارج ابراہیم گریرسن (George Abraham Grierson)

اگر چہ گریرسن لغت نویس نہیں تھا لیکن اس کی اہمیت کے پیشِ نظر اس تالیف کا آغاز گریرسن سے ہی کیا جا رہا ہے۔ اُسے ہندوستان کا سب سے بڑا ماہرِ لسانیات کہا جا سکتا ہے۔ اُس نے تنِ تنہا وہ کارنامہ سرانجام دیا جو شاید ادارے بھی نہ کر سکتے ہوں۔ قوعد اور لغت کی بہت سی کتابوں کا حوالہ صرف گریرسن سے ہی ملتا ہے۔ "Linguistic Survey of India" اُس کا ناقابلِ فراموش کارنامہ ہے۔ اس نے یہ کام ۱۸۹۸ء میں شروع کیا اور ۱۹۲۸ء میں مکمل کیا۔ یہ کتاب ۹ جلدوں میں ہے اور اس میں ایک سو اُناسی (۱۷۹) زبانوں اور پانچ سو چوالیس (۵۴۴) بولیوں کی لسانیات اور خصوصیات پر مفصل بحث کی ہے۔

گریرسن ۱۸۵۱ء میں پیدا ہوا۔ وہ انڈین سول سروس کا رکن تھا اور ۱۸۷۳ء سے ۱۸۹۸ء تک بنگال پریزیڈنسی میں مختلف عہدوں پر فائز رہا۔ وہ ڈبلن، آئرلینڈ، کا باشندہ تھا۔ یہیں سے سنسکرت اور ہندوستانی زبانوں کی سند حاصل کی اور صوبہ بہار میں جائنٹ مجسٹریٹ مقرر ہوا۔ ۱۸۹۶ء میں پٹنہ میں ایڈیشنل کمشنر مقرر ہوا۔ ۱۸۹۴ء میں مستشرقین کی ایک عالمی کانگریس میں شرکت کی اور وہیں اس نے محسوس کیا کہ ہندوستان کی زبانوں کی فہرست ترتیب دینی چاہیے۔ ۱۸۹۸ء میں وہ حکومت کی طرف سے اس کام کے لیے مامور ہوا۔ اسے اس کام کے لیے ۲۰ کلرک بھی دیے گئے۔ لیکن ۱۹۰۳ء میں اس نے پینشن حاصل کی اور انگلستان چلا گیا اور بغیر حکومتی امداد کے اتنا بڑا کارنامہ سرانجام دیا۔ کئی یونیورسٹیوں نے گریرسن کو اس کام پر اعزازی ڈگریاں دیں مگر وہ ان سب چیزوں سے بے نیاز تھا۔ گریرسن کے نزدیک اردو یا ہندوستانی مرکزی گروہ میں شامل ہے اور اس میں اونچی ہندی، اردو، بانگڑہ، برج بھاشا، قنوجی جیسی بولیاں بھی شامل ہیں۔ ڈاکٹر عطش درانی گریرسن کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ”ایک عام سننے والے کے نزدیک جھانسی اور گورکھپور کے کسانوں کی بولیوں اور لاہور اور امرتسر کی پنجابی میں کوئی فرق نہ ہوگا مگر گریرسن کی باریک بین نگاہوں نے اس فرق کو تلاش کر کے مختلف بولیوں اور زبانوں کے قواعد معلوم کیے۔ ان کا باہمی

تعلق دریافت کیا اور تلفظ پوچھ پوچھ کر لکھا۔ حد یہ ہے کہ بعض ایسی بولیوں کا ذکر بھی کر دیا جسے صرف گنتی کے چند افراد بولتے تھے۔ اس نے ہر بولی اور زبان کے ریکارڈ تیار کیے اور نقشے اور جدولیں شامل کیں۔'' (۴)

اس کی دیگر کتابیں حسبِ ذیل ہیں:

1. Seven Grammars of the Dialects and subdialects of the Bihari Language, (8 parts 1883--87)
2. Bihar Peasant Life (1885)
3. The Modern Vernacular Literature of Hindustan (1889)
4. A Dictionary of the Kashmiri Language (1916-32)
5. The Pisaca Language of North Western India (1906)

اس کا انتقال ۱۹۴۱ء میں ہوا۔

جیرونمیوم خاویر (Jernime Xavier)

مستشرقین کی ابتدائی فرہنگوں کے بارے میں اب تک سب کا اس پر اتفاق تھا کہ پہلی فرہنگ کورج کی ہے۔ مگر نذیر آزاد لکھتے ہیں کہ پہلا مولف جیرونیوم خاویر ہے جس نے ۱۵۹۹ء میں ایک لغت مرتب کی تھی:

''لیکن زمانۂ حال کی تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ اس [کورج کی فرہنگ] سے بھی قدیم ایک لغت لکھی گئی جو کہ اب تک محفوظ ہے۔ یہ لغت ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کے ایک مستشرق شاگرد نے دریافت کی ہے۔ یہ ۱۵۹۹ء کی تالیف ہے اور اس کے مؤلف کا نام جیرونمیوم خاویر (J ernime Xavier) [کذا] ہے جو کہ جہانگیر کے دربار میں بھی حاضر ہوا تھا۔ یہ لغت ہندوستانی (اردو / ہندی) فارسی اور پرتگالی میں ہے اور اس کا عنوان ہے، Hindustani Persisch

"Vocabularium یا Portugiesisch" "Portugalico-Hindustano Persicum" ہے۔ اس لغت کا ایک قلمی نسخہ لندن کے کنگز کالج کے کتب خانے میں ہے۔ اس کی مائیکروفلم ڈاکٹر جان جوزف نے حاصل کی ہے اور وہ اسے مرتب کر کے شائع کر رہے ہیں۔ اس طرح یہ اردو کی قدیم ترین سہ لسانی لغت ہوگی۔'' (۵)

مسٹر کورج (Quaritch)

گریرسن نے ''لنگوسٹک سروے آف انڈیا'' کی جلد نہم میں ہندوستانی زبان کے لغات و قواعد کا جائزہ لیا ہے۔ سب سے پہلی لغت کے متعلق گریرسن مسٹر کورج کی اورینٹل کیٹلاگ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کے پاس ایک قلمی مسودہ تھا جو فارسی، ہندوستانی، انگریزی اور پرتگالی الفاظ کے لغات پر مشتمل تھا اور جس کی تالیف ۱۶۳۰ء میں سورت انگریزی کارخانے میں ہوئی تھی۔ فارسی الفاظ اپنے اصل خط اور رومن حروف میں تھے، ہندوستانی الفاظ کے لیے رومن اور گجراتی رسم خط استعمال کیا گیا تھا، تاہم گریرسن کو وہ کیٹلاگ نہ مل سکی۔

فرانسسکو ماریا

انکتیل دوپروں

آغا افتخار حسین فرانس کے ببلیوتک ناسیونال کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کے مشرقی زبانوں کے شعبے میں اُنہیں ایک لغت ملی۔ یہ لغت چار زبانوں لاطینی، ہندی، فرانسیسی اور اردو میں لکھی گئی تھی۔ اس لغت کی دریافت کا سہرا ابراہم ہائی سنت انکتیل دوپروں کے سر ہے۔ انکتیل کے بارے میں ڈاکٹر درانی لکھتے ہیں کہ اُس نے اپنی کتاب ''ہندوستان پر تاریخی اور

جغرافیائی تحقیق‘‘ میں ہندوستانی زبانوں پر پہلی مرتبہ خالص لسانیاتی نقطۂ نظر سے قلم اٹھایا۔ وہ لکھتا ہے کہ سنسکرت ایک اہم زبان ہے لیکن یہ اب مر چکی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہندوستانی واحد زبان ہے جو شمالی ہند سے خلیج بنگال تک اور پورے جنوبی ہندوستان میں بولی جاتی ہے اور یہ ناگری اور فارسی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے۔ حالانکہ اُس کے دور میں فارسی کا عروج تھا لیکن اُس کی دوربین نگاہوں نے اُردو کے تابناک مستقبل کو پہچان رہی تھیں۔

فرانسسکو ماریا کی لغت کے پیرس میں آنے کی داستان دل چسپ ہے۔ مخطوطے کے شروع میں ایک نوٹ ہے جس پر پیرس، ۱۰؍ مارچ ۱۷۸۴ء درج ہے۔ اس نوٹ کا خلاصہ آغا صاحب کے الفاظ میں اس طرح ہے:

’’۱۷۵۸ء میں مَیں سورت میں تھا اور پہلوی زند کتابوں کا ترجمہ کر رہا تھا۔ مقامی پارسی عالموں سے بات چیت کرنے کے لیے جدید فارسی زبان استعمال کرتا تھا لیکن روز مرہ کی گفتگو کے لیے اور سورت اور ہندوستان کے دوسرے علاقوں مثلاً کارومنڈل، مالابار، بنگال وغیرہ میں سیر و سیاحت کے لیے مور (Maure) یا ہندوستانی زبان بولنا پڑتی تھی۔

میں نے سورت میں ایک کاپوچین مشنری کے ہاں ایک پرانا لیکن نہایت بیش قیمت مخطوطہ دیکھا۔ یہ ایک ’’مور۔فرانسیسی‘‘ لغت تھی۔ میرا ارادہ تھا کہ اس کی نقل کر لوں لیکن میری علالت، مصروفیات اور سورت میں بعض دیگر پریشانیوں کی وجہ سے میں یہ کام نہ کر سکا۔۔۔ میں نے ایک کتاب (Alphabetum Brahmanicum) دیکھی جو ۱۷۷۱ء میں روم سے شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب کے دیباچے میں لکھا تھا کہ روم کے صیغۂ تبلیغ و اشاعت کے کتب خانے میں ہندوستانی زبان کی لغت کا ایک نسخہ موجود ہے جو سورت میں ایک مشنری نے لکھا تھا۔ اس نسخے کے بارے میں جو تفصیل تحریر کی گئی تھی اس سے مجھے شبہ ہوا کہ غالباً یہ

وہی مخطوطہ یا اس کی نقل تھی جو میں نے سورت میں دیکھا تھا۔

پاپائے روم نے مربیانہ مدد فرمائی اور ۱۴؍ اکتوبر ۱۷۸۳ء کو یہ مخطوطہ ملا۔۔۔۔ اور میں نے اس پورے مخطوطے موسومہ ’’ہندوستانی زبانوں کا خزانہ‘‘ کو نقل کر لیا۔ اور یہ احتیاط برتی کہ اصل و نقل میں ایک نقطے کا بھی فرق نہ رہے۔۔۔ یہ کتاب اس لغت کی بنیاد ہو گی جو میں لاطینی، فرانسیسی، مور، فارسی، فرانسیسی اور لاطینی میں مرتب کر رہا ہوں۔‘‘ (۶)

افسوس ہے انکتیل دوپروں اپنے ارادے کی تکمیل نہ کر سکا اور یہ لغت نہ لکھ سکا۔ ۱۸۰۵ء میں دوپروں کا انتقال ہو گیا۔

ببلیوتک ناسیونال کے اس مخطوطے کو ’’فرانسیسی اردو ڈکشنری‘‘ کی اساس کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ چار مشرقی اور مغربی زبانوں میں اس پائے کی لغت شاید ہی دنیا میں کہیں اور موجود ہو۔ اردو زبان کے قدر دانوں اور اداروں کو اس طرف توجہ دینی چاہیے۔ آغا صاحب اس لغت کی فلم بنا کر پاکستان لائے تھے، معلوم نہیں پھر اس کا کیا ہوا۔ لغت کے متعلق آغا صاحب تاریخ وار سلسلۂ واقعات اس طرح بیان کرتے ہیں:

۱۶۸۰ء۔ لغت کا مصنف فرانسسکو ماریا دوتور پانڈیچری کے مشنری کتب خانے میں کام کرتا تھا، اور غالباً اسی زمانے میں اس نے یہ لغت تالیف کی۔

۱۷۰۳ء۔ فرانسسکو روم گیا اور بابائے روم کے کاردنال حضرات کے سامنے پیش ہوا جن سے اس نے درخواست کی کہ اس لغت کو شائع کیا جائے۔ یہ درخواست منظور نہیں ہوئی۔

۱۷۰۴ء۔ مصنف نے لغت کا مخطوطہ، جولائی کو نشر و اشاعت کے کتب خانے میں داخل کر دیا۔ اس کے بعد فرانسسکو ہندوستان کے لیے روانہ ہو گیا۔

۱۷۰۶ء۔ فرانسسکو کچھ عرصہ سورت میں قیام کرنے کے بعد پانڈیچری آیا اور پھر چندرنگر ہوتا ہوا نومبر میں پٹنہ پہنچا۔

۱۷۰۷ء۔فرانسسکو نیپال کے لیے روانہ ہوا اور ۱۲ فروری کو کھٹمنڈو پہنچا، اور اس کے بعد ۱۲ جون کو لاسا (تبت) پہنچا۔

۱۷۰۹ء۔فرانسسکو تبت سے روانہ ہوا اور مئی میں پٹنہ پہنچا اور وہیں وفات پائی۔

۱۷۰۸ء۔انکتیل دوپروں نے لغت کا مخطوطہ ایک عیسائی مشنری کے پاس سورت میں دیکھا۔

۱۷۷۱ء۔اس لغت کا ذکر امادوزی نے Alphabetum Brammhanicum کے دیباچے میں کیا۔

۱۷۷۸ء۔امادوزی کا مذکورہ، بالا دیباچہ انکتیل دوپروں کی نظر سے گزرا۔

۱۷۸۱ء۔انکتیل دوپروں کو لغت کا مخطوطہ روم سے ۱۴؍اکتوبر کو موصول ہوا۔

۱۷۸۴ء۔انکتیل دوپروں نے ۲۰ جنوری کو اس لغت کی اشاعت کے بارے میں موسیولونونس سے گفتگو کی۔۱۲ مارچ کو اس نے مخطوطے کی نقل کی تکمیل کر کے مخطوطے کو شہنشاہ فرانس لوئی شانز دہم کے وزیر اعظم کے سپرد کر دیا۔

۱۸۰۵ء۔انکتیل دوپروں نے پیرس میں وفات پائی۔

۱۸۹۰ء۔سر جارج گریئرسن نے روم میں اس لغت کی تلاش کی، لیکن انہیں لغت نہ ملی۔

۱۹۶۳-۶۴ء۔ انکتیل دوپروں کا نقل کیا ہوا لغت کا مخطوطہ ببلیوتک ناسیونال میں دیکھا گیا۔ مخطوطے کو مائکروفلم کرایا گیا اور فلم پاکستان لائی گئی۔ (۷)

جان جوشوا کیٹلر (John Joshua Ketelaer or Kotelar)

کیٹلر کی اہمیت بطور لغت نویس کم اور قواعد دان زیادہ ہے۔اس نے ابتدائی نوعیت کا کام کیا جو تاریخی لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے۔اس نے سب سے پہلے ہندوستانی صرف ونحو لکھی ہے۔ ہندوستانی زبان کے قواعد و لغت لاطینی زبان میں مرتب کیے تھے۔مولوی عبدالحق نے کیٹلر کے بارے میں ''قواعدِ اردو'' کے دیباچے میں کافی معلومات فراہم کی ہیں۔اُن کے مطابق کتاب کا

زمانۂ تالیف ۱۷۱۵ء ہے۔ وہ پرشیا کے شہر ایلبنجن میں ۱۶۵۹ء کو پیدا ہوا۔کیٹلر ولندیزوں کی جانب سے شاہ عالم (۱۲-۱۷۰۸ء) اور جہاں دار شاہ (۱۷۱۲ء) کے دربار میں بھیجا گیا تھا۔ وہ دہلی کے راستے لاہور گیا اور آگرے سے گزرا جہاں ولندیزی کمپنی کا ایک کارخانہ تھا۔ولندیزوں کا وفد ۱۰؍دسمبر ۱۷۱۱ء میں لاہور کے قریب پہنچا اور جہاں دار شاہ کے ساتھ دہلی واپس آیا۔ وہاں سے ۱۴؍اکتوبر ۱۷۱۲ء کو روانہ ہو کر ۲۰؍اکتوبر، کو آگرے پہنچا۔ آگرے سے یہ لوگ سورت گئے۔ ۱۷۱۶ء میں کیٹلر سورت میں ولندیزی کمپنی کا ڈائریکٹر مقرر ہوا اور تین سال تک اس عہدے پر فائز رہا۔اس کے بعد وہ ایران میں سفیر مقرر کیا گیا اور بٹاویا سے جولائی، ۱۷۱۶ء میں روانہ ہوا۔اس وقت اسے ولندیزوں کی ملازمت یا ایسٹ انڈیز میں تیس سال ہو گئے تھے۔جس وقت وہ اصفہان سے واپس آ رہا تھا تو راستے میں ایرانی گورنر نے اس سے خواہش کی کہ وہ ولندیزی جہاز کو بعض عرب حملہ آوروں کے مقابلے میں اس کے ساتھ ہو کر لڑنے کی اجازت دے۔کیٹلر نے اس سے انکار کیا۔اس پر ایرانی حاکم نے اسے قید کر لیا اور وہیں اس کا انتقال ہو گیا۔

اس نے ہندوستانی زبان کی صرف ونحو اور لغت لکھی۔اس کتاب کا مسودہ ولندیزی زبان میں ہے اور ابھی تک ہیگ (Hague) کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔اس کا ترجمہ ڈیوڈمل نے کیا اور اپنی کتاب Miscellanea Orientalia میں شامل کر کے ۱۷۴۳ء میں شائع کیا۔کیٹلر کی کتاب اس ترجمے کے ذریعے منظر عام پر آئی۔کتاب لاطینی زبان میں ہے لیکن ہندوستانی (اردو) الفاظ اور عبارتیں رومن حروف میں لکھی گئی ہیں۔ان کے ساتھ ساتھ حروف ہندوستانی جدول میں ہندوستانی الفاظ اردو املا میں درج ہیں۔ان الفاظ کا املا ولندیزی زبان کے مطابق ہے۔ڈاکٹر رضیہ نور گریرسن کے حوالے سے لکھتی ہیں کہ لنگوسٹک سروے آف انڈیا میں لکھا ہے کہ اس کتاب میں دیوناگری رسم الخط کے کچھ نمونے بھی ہیں اور ہندوستانی زبان میں (رومن رسم الخط میں) انجیل کے چند اقتباسات کا ترجمہ بھی دیا گیا ہے۔انجیل مقدس کے یہ اقتباسات اوامر عشرہ اور حضرت عیسیٰؑ کی چند دعاؤں پر مشتمل ہیں اور رومن رسم الخط میں ہیں۔ یہ ترجمہ اس

اعتبار سے اہم ہے کہ یہ ابتدائی اٹھارویں صدی کی ہندوستانی نثر کا عمدہ نمونہ فراہم کرتا ہے۔

گلسٹن

گلسٹن کے بارے میں عتیق صدیقی ''گل کرسٹ اور اس کا عہد'' میں کچھ معلومات فراہم کرتے ہیں۔ آپ کے مطابق پلاسی کی لڑائی (۱۷۵۷ء) کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی نے جب بنگال میں قدم جمائے اور انگریزی اقتدار تیزی سے پھیلنے لگا تو نو وارد حکمرانوں کو ہندوستان کی زبانوں سے بہتر واقفیت کی ضرورت اور زیادہ محسوس ہونے لگی۔ چنانچہ کمپنی نے اپنے سول اور فوجی ملازمین کو ایک معینہ مدت کے لیے ''منشی الاؤنس'' کے نام سے وظیفہ دینا شروع کیا تاکہ منشی رکھ کر وہ باضابطہ ہندوستانی اور فارسی کی تعلیم حاصل کریں۔ اس کے ساتھ ہی کمپنی کے کچھ سول اور فوجی افسروں نے انگریزی میں ہندوستانی زبان کے قواعد ولغت مرتب کرنے کی طرف بھی توجہ کی۔ اس سلسلے میں کمپنی کے ایک نوجوان سول ملازم مسٹر گلسٹن کا نام اس اعتبار سے قابل ذکر ہے کہ اس نے اس میدان میں پہل کی۔ وہ گورنر ونسی ٹارٹ (Vansittart) کا سیکرٹری اور فارسی مترجم تھا۔ ہندوستانی زبان کے قواعد پر اس نے انگریزی میں ایک مقالہ لکھا تھا۔ گلسٹن جوانی میں ہی ایک لڑائی میں مارا گیا جس کی وجہ سے اس کا کام منظرِ عام پر نہ آ سکا۔

گلِ کرسٹ نے بھی اپنے ضمیمہ میں اُس کی قواعد ولغت کی تعریف کی ہے۔

ہیڈلے

قواعد نویسی کا تیسرا بڑا ماہر جسے کیٹلر اور شلز سے بھی زیادہ شہرت حاصل ہوئی ہیڈلے تھا۔ اس سے برطانوی مستشرقین کے اس سلسلے کا آغاز ہوتا ہے جنھوں نے اردو زبان و ادب میں دوسری اقوام سے کہیں زیادہ علمی سرمایہ چھوڑا ہے۔ ہیڈلے کو بجا طور پر برطانوی مستشرقین کا باوا آدم قرار دیا جاتا ہے اس نے سنجیدہ علمی تحقیق کی جو داغ بیل ڈالی وہ آئندہ آنے والوں کے لیے

رہنمائی کا باعث ہوئی۔

اس نے ۱۷۶۵ء میں ہندوستانی زبان کی صَرف ونحو پر ایک رسالہ لکھا۔ یہ رسالہ بہت مقبول ہوا اور بار بار شائع ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ اس موضوع پر انگریزی زبان میں اولین کتاب تھی۔ ہیڈلے کے حالات زندگی کے بارے میں صرف اتنا ہی معلوم ہے کہ ۱۷۶۳ء میں وہ بنگال آرمی میں داخل ہوا۔ ۱۷۶۶ء میں وہ کپتان ہو گیا۔ ۲ نومبر ۱۷۷۱ء کو اس نے ملازمت سے سبکدوشی کے لیے درخواست دے دی۔

ہیڈلے کو ہندوستانی سپاہیوں کی ایک کمپنی کی سربراہی سپرد کی گئی۔ چنانچہ اس نے ۱۷۶۵ء میں ان سپاہیوں کے لیے اردو زبان کے قواعد مرتب کیے۔ لندن کے ایک تاجر نے ہیڈلے کی یہ کتاب ۱۷۷۰ء میں چھاپ دی تھی۔ لیکن ہیڈلے نے اس پر نظر ثانی کر کے اپنی نگرانی میں اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۷۷۲ء میں لندن ہی سے شائع کیا۔ اس کے بعد ہیڈلے کی کتاب ۱۷۷۴ء، ۱۷۷۹ء، ۱۷۹۴ء، ۱۷۹۷ء میں شائع ہوئی۔ ہیڈلے کی وفات کے بعد اس کے دو ایڈیشن اور شائع ہوئے۔ پہلا ۱۸۰۲ء میں اور آخری ۱۸۰۹ء میں۔ اس آخری ایڈیشن کی تصحیح مرزا محمد فطرت لکھنوی نے کی تھی اور اس میں اضافے بھی کیے تھے۔

ہابسن جابسن سے پتہ چلتا ہے کہ ہیڈلے نے ہندوستانی الفاظ کا جو رومن املا اختیار کیا تھا، وہ صحیح نہیں تھا۔ مثلاً

(چھوکرا) Chookrau

(چھوکری) Chookree

(دال چینی) Dolchihney

گل کرسٹ کی لغت کی اشاعت (۱۷۹۰ء) کے بعد ہیڈلے کی لغت کا جو ایڈیشن ۱۷۹۷ء میں شائع ہوا تھا، اس میں ہیڈلے نے اس کے لغت سے کچھ الفاظ اور ان کے معنی ''چرا کر'' شامل کر لیے تھے اور صرف دو جگہ گل کرسٹ کے لغت کا حوالہ دیا تھا۔ یقیناً یہ بیان صحیح ہوگا اور ہیڈلے

نے گل کرسٹ کے لغت سے استفادہ کیا ہوگا۔لیکن اس بات پر گل کرسٹ نے اپنا ردِعمل جس طرح ظاہر کیا وہ کسی طرح بھی اس کے شایانِ شان نہیں تھا۔

مرزا محمد فطرت لکھنوی

ہیڈلے کے لغت کا جو ایڈیشن اس کی وفات کے بعد ۱۸۰۲ء شائع ہوا تھا، وہ اس لحاظ سے بھی اہمیت رکھتا ہے کہ ایک ہندوستانی مرزا محمد فطرت لکھنوی نے اس کی نہ صرف تصحیح بلکہ اس میں اضافہ بھی کیا تھا۔ ہیڈلے کی طرح مرزا فطرت لکھنوی کے حالات کے بارے میں کوئی خاص معلومات دستیاب نہیں۔

ڈاکٹر فرانسس بال فور

گل کرسٹ کے نمودار ہونے سے پہلے جن لوگوں نے ہندوستانی زبان کے قواعد و لغت پر کام کیا ہے۔ ان میں ڈاکٹر فرانسس بال فور کا نام بھی قابل ذکر ہے، جو انشائے ہرکرن کے ترجمے کے لیے مشہور ہیں۔ ڈاکٹر بال فور گل کرسٹ کی طرح طبیب تھے۔ ایشیاٹک سوسائٹی کے رسالے ایشیاٹک ری سرچیز (Asiatic Researches) میں ان کے مقالات چھپتے تھے۔

مسٹر جے فرگسن

ہیڈلے کی لغت و قواعد کا پہلا باقاعدہ ایڈیشن ۱۷۷۲ء میں لندن سے شائع ہو گیا تھا۔ اس کے ایک سال بعد لندن سے ہی ۱۷۷۳ء میں مسٹر جے۔ فرگسن (J. Furguson) نے ہندوستانی زبان کا لغت شائع کر دیا۔ اس کا نام (A Short Dictionary of the Hindostan Language) تھا۔ اس کے دو حصے تھے: انگریزی سے ہندوستانی اور ہندوستانی سے انگریزی، اس میں اردو کے الفاظ رومن حروف میں ہیں۔ ان دو حصوں کے علاوہ اس کتاب میں ہندوستانی زبان کے قواعد پر بھی ایک مقالہ موجود ہے۔

اوریس ایبل

ڈاکٹر عطش درانی کے بقول ۱۷۸۲ء میں ڈنمارک کے ایک شخص اوریس ایبل کا ایک فرہنگ کوپن ہیگ سے شائع ہوا۔ اس میں ۵۳ الفاظ کے معنی گیارہ زبانوں میں دیے گئے تھے۔

اوساں (Aussant)

ڈاکٹر آغا افتخار حسین لکھتے ہیں کہ ببلیوتک ناسیونال میں انہوں نے اردو مخطوطات میں ایک فرانسیسی-- اردو ڈکشنری دیکھی جسے بنگال کے شاہی مترجم اوساں (Aussant) نے ۱۷۸۴ء میں مرتب کیا تھا۔

اس ڈکشنری کے شروع میں نوٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ اوساں بنگال میں شاہی مترجم تھے۔ انھوں نے اردو زبان سیکھنے کے لیے کافی محنت کی۔ مخطوطات میں ایک کتاب ''کتاب آموز المنشی'' بھی ہے جو اوساں کے لیے ۱۷۸۲ء میں لکھی گئی تھی اور جس میں فارسی اور اردو زبان سکھانے کے لیے قواعد، الفاظ، محاورے، کہانیاں وغیرہ درج ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ صرف دو سال کے عرصے میں اوساں نے زبان پر اس قدر عبور حاصل کر لیا کہ ۱۷۸۴ء میں ''فرانسیسی اردو ڈکشنری'' لکھ دی۔

اس ڈکشنری کے شروع میں ایک طویل نوٹ ہے جس میں اوساں نے اردو زبان کے ان مخالفین کے اعتراضات کا جواب دیا ہے جو کہتے تھے کہ اردو زبان اس قابل نہیں کہ اس کی قواعد وغیرہ بنائی جا سکے۔ حیرت ہوتی ہے کہ اٹھارویں صدی میں جبکہ خود اُردو زبان نے ابھی پختگی حاصل نہیں کی تھی اوساں اُردو کے بارے میں اپنے خیالات میں کس قدر واضح تھا۔ آغا صاحب نے اوساں کے نوٹ کا خلاصہ اس طرح کیا ہے:

''گرامر کے بغیر کسی زبان کو سیکھنے کی کوشش کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص موسیقی کے

اصول سے واقف ہوئے بغیر کوئی ساز بجانا شروع کر دے...... اردو زبان پر جو اعتراضات کیے جارہے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس زبان میں قواعد کے اصول متعین کیے جانے کی صلاحیت نہیں ہے اور یہ کہ اردو زبان فارسی زبان سے اس قدر منسلک ہے کہ اسے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ خیال بالکل غلط ہے ۔ اردو زبان میں قواعد کے اصول متعین کیے جانے کی پوری پوری صلاحیت ہے، اور اگر کوئی شخص اردو اور فارسی کی زبانیں سیکھنا چاہے تو بہتر ہوگا کہ وہ اردو قواعد سے ابتدا کرے۔ اس اعتراض میں بھی کوئی جان نہیں کہ اردو میں فارسی کے الفاظ کی بہتات ہے اس لیے اردو سیکھنے کی ضرورت نہیں، صرف فارسی کافی ہے۔ انگریزی زبان میں یونانی الاصل الفاظ کی بہتات ہے لیکن اس کے باوجود انگریزی زبان پر یہ اعتراض نہیں کیا جاتا اور یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ جو فارسی الفاظ اردو میں آ گئے ہیں وہ زیادہ تر اردو قواعد کے اصولوں کے لحاظ سے استعمال ہوتے ہیں نہ کہ فارسی قواعد کے اصولوں کے لحاظ سے۔'' (۸)

ہنری ہیرس (Henry Harris)

ہنری ہیرس کے بارے میں سوانحی معلومات ڈاکٹر رضیہ نور فراہم کرتی ہیں:

غالبًا جارج ہیرس فرسٹ بیرن آف سرنگا پٹم ومیسور (۱۸۴۶ء۔ ۱۸۲۹ء) ابن جارج ہیرس ۱۸ مارچ ۱۷۴۶ء میں پیدا ہوا۔ اس نے مختلف ممالک میں فوجی خدمات سرانجام دیں۔ جنرل ولیم میڈوز کا پرائیویٹ سیکرٹری رہا۔ بمبئی اور مدراس میں (۱۷۹۰ء۔۱۷۹۲ء) میں گورنر اور کمانڈر ان چیف رہا۔ فورٹ ولیم کلکتہ کا (۱۷۹۴ء) کمانڈر رہا۔ مدراس میں میجر جنرل (۱۷۹۶ء۔۱۸۰۰ء) رہا۔ ۱۸۰۰ء میں ریٹائرڈ ہو کر انگلستان چلا گیا۔ انتقال ۱۹ مئی ۱۸۲۹ء میں ہوئی۔ (۹)

ہنری ہیرس کی "A Dictionary of English and Hindustani" جو ۱۷۹۰ء میں شائع ہوئی کو اردو کا پہلا مکمل لغت کہا گیا ہے۔ یہ ایک جامع حوالہ جاتی کتاب ہے۔ اس لغت سے پتہ چلتا ہے کہ مرتب کو ہندوستانی زبان سے کافی شناسائی تھی۔ گل کرسٹ نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ اس نے اس لغت سے کچھ منتخب الفاظ اخذ کر کے اپنے ضمیمے میں شامل کیے ہیں۔ اس لغت میں دکنی الفاظ خاص طور پر شامل کیے گئے ہیں۔ ڈاکٹر عطش درانی اس لغت کی خصوصیات کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اس لغت کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ تدوین کے اس وقت کے جدید ترین معیار کو سامنے رکھا گیا ہے۔ صفحات کے نمبر نہیں کیے گئے البتہ ہر صفحہ دو کالموں پر منقسم ہے اور ان کالموں کے نمبر کیے گئے ہیں۔ کتاب ۲۰۵۲ کالموں یعنی ۱۰۲۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ اشاریہ کے ۱۵۸ صفحات بھی ہیں۔ کتاب کے آخر میں اغلاط نامہ درج کیا گیا ہے۔ الفاظ لکھنے سے پہلے ان کے ماخذ (زبان) کو درج کر دیا گیا ہے اور معانی بتانے سے پیشتر بتایا گیا ہے کہ یہ کس لفظ سے مشتق ہے اور اس کا تلفظ کیا ہے۔ اگر سنسکرت کا لفظ ہے تو دیوناگری رسم الخط میں اسے تحریر کیا گیا ہے۔ زیادہ تر ہندی، سنسکرت، عربی، فارسی، ترکی، یونانی اور انگریزی ماخذوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ دیگر خصوصیات جدید لغات کی ہیں مثلاً تذکیر و تانیث، واحد جمع وغیرہ کی نشاندہی کی گئی ہے۔'' (۱۰)

ہیرس کی کتاب کا نام ''ہندوستانی زبان کا تجزیہ اور اس کے قواعد ولغت'' (Analysis, Grammar, and Dictionary of the Hindustany Language) ہے۔ لگتا ہے کہ جارج ہیرس انگلستان میں لغت سازی کے میدان میں ہونے والی پیش رفت سے پوری طرح آگاہ تھا۔

ڈاکٹر جان گل کرسٹ

اٹھارویں صدی کے آخر اور انیسویں صدی کے شروع میں جن لوگوں نے ہماری ادبی و لسانی تاریخ میں انمٹ نقوش چھوڑے ہیں اُن میں گل کرسٹ کا نام سرِ فہرست ہے۔ اس نے ہماری زبان کے قواعد ولغت کو وسیع پیمانے پر مدوّن کرنے کی اہم خدمات انجام دیں اس کے علاوہ اردو اور ہندی کی جو کتابیں گل کرسٹ کی نگرانی میں فورٹ ولیم کالج میں تصنیف یا تالیف کی گئیں، ان کتابوں سے ہندوستانی نثر میں ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ خود گل کرسٹ کا کام معیار اور مقدار کے لحاظ سے اتنا وقیع ہے جو کسی بھی مصنف کے لیے قابلِ فخر بات ہے۔ گل کرسٹ کی اہمیت کے پیشِ نظر اُسے قدرے تفصیل سے پیش کیا جا رہا ہے۔ گل کرسٹ کے سلسلے میں زیادہ تر عتیق صدیقی پر انحصار کیا گیا ہے۔

ہندوستانی زبان سے گل کرسٹ کا تعارف

ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی یہاں کی بولیوں اور زبانوں کی لطافت اور ان کی وسعت نے گل کرسٹ کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ اسی حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے اپنی کتاب ''ضمیمہ'' (Appendix) میں لکھتا ہے کہ:

''۱۷۸۲ء میں بمبئی وارد ہوتے ہی میں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ ہندوستان میں میرا قیام خواہ اس کی نوعیت جو بھی ہو، اس وقت تک نہ تو میرے ہی لیے خوش گوار ہو سکتا ہے اور نہ میرے آقاؤں ہی کے حق میں مفید ثابت ہو سکتا ہے، جب تک کہ اس ملکی مروجہ زبان میں پوری دست گاہ میں نہ حاصل کر لوں، جہاں عارضی طور پر مجھے قیام کرنا ہے۔ چنانچہ اس زبان کو جسے اس زمانے میں مورس (Moors) کہتے تھے، سیکھنے کے لیے میں جم کر بیٹھ گیا۔ میری اس نئی تعلیم کے سلسلے میں لوگوں نے ہیڈ لے کی اس تالیف کی طرف رجوع کرنے کا مجھے مشورہ دیا جو اس زبان کی مبادیات پر اس نے لکھی تھی۔ ایک دو ہفتوں کے بعد مجھے ایک منشی مل گیا جس نے اصرار کیا کہ

ہیڈ لے سے میں نے جو کچھ سیکھا تھا۔ اسے سرے سے بھلا دوں۔ کچھ دنوں تک اپنے طور پر کوشش کرنے کے بعد مجھے توقع سے زیادہ کامیابی ہوئی۔ اسی بحرانی دور میں خوش قسمتی سے اپنے دوست کپتان جان ریٹ رے (John Rattray) سے سوؔدا کا کلیات مجھے مل گیا۔'' (۱۱)

گل کرسٹ نے قیام فتح گڑھ کے زمانے میں ہندوستانی زبان پر کافی دسترس حاصل کر لی تھی اور وہ اس قابل ہوگئے تھے کہ اس زبان کے قواعد ولغت ترتیب دے سکیں۔ ''گل کرسٹ اور اس کا عہد'' میں گل کرسٹ کی ایک عرضی کا مضمون نقل کیا گیا ہے، یہ عرضی اس نے فتح گڑھ کی فوجی چوکی سے وارن ہیسٹنگز گورنر جنرل باجلاس کونسل کے نام ۲ر جنوری ۱۷۸۵ء کو لکھی تھی، اس کا اقتباس یہ ہے۔

''ہندوستان کے دوران قیام میں اپنا بیش تر وقت میں نے ہندوستانی زبان کی تحصیل میں صرف کیا ہے اور اس زبان میں اب میں نے اتنی دست گاہ حاصل کر لی ہے کہ اس کے قواعد ولغت مرتب کرنے کا کام میں نے اس پیمانے پر شروع کیا کہ اب تک کسی اور نے اتنے وسیع پیمانے پر یہ کام نہیں کیا.......... بارہ مہینوں کے لیے اپنے فرضِ منصبی کی ادائیگی سے مجھے معاف کیا جائے تاکہ اس حد درجہ مفید کتاب کی ترتیب وتالیف کے کام میں تجربے، مواقع اور سکون واطمینان سے جو فوائد حاصل ہو سکتے ہیں، ان کا میرے لیے فقدان نہ ہو۔'' (۱۲)

گل کرسٹ کو ایک سال کی چھٹی مل گئی تھی، گل کرسٹ یہ چھٹی حاصل کر کے شمالی ہند میں ہندوستانی زبان کے مشہور مراکز کی سیاحت کو نکل کھڑے ہوئے۔ فیض آباد میں گل کرسٹ نے ہندوستانیوں کی معاشرت اختیار کر لی تھیں، ہندوستانی لباس کے ساتھ ساتھ اس نے داڑھی بھی بڑھالی تھی۔ گل کرسٹ نے خود لکھا کہ وہ فیض آباد میں جم کر بیٹھ جانا چاہتے تھے لیکن یہ ممکن نہ ہوسکا۔ فیض آباد میں ہی گل کرسٹ کو اپنے کام کی وسعت اور راہ میں مشکلات کا اندازہ ہوا، یہیں

انھوں نے ہندوستانی زبان کے قواعد ولغت کے متعلق کتابوں کو معلوم کیا تو لوگ حیرت سے ان کا منہ تکنے لگے اور جواب دیا کہ بھلا آج تک کہیں بھی کسی قواعد ولغت کی مدد سے اپنی زبان سیکھی ہے۔گل کرسٹ کے اصرار پر لوگوں نے یاد کر کے خالق باری کو ان کے سامنے پیش کیا۔ یہ حقیقت ہے کہ اس وقت تک اہل زبان میں سے کسی نے اس زبان کے قواعد مرتب نہیں کیے تھے۔

سورت سے فتح گڑھ تک کے سفر میں گل کرسٹ کو ہندوستانی زبان کی ہمہ گیری کا ثبوت ملا اور انھوں نے اس زبان پر کتاب لکھنے کی تجویز پر سنجیدگی سے غور کرنا شروع کر دیا۔گل کرسٹ خود لکھتا ہے کہ جس گاؤں اور شہر سے اس کا گزر ہوا، وہاں اس زبان کی مقبولیت تھی جو وہ سیکھ رہا تھا۔ وہاں اسے بہت سی ایسی شہادتیں ملیں جن سے اس کے شوق میں اضافہ ہوا۔

لغت کی طباعت کا آغاز

۲۱ر دسمبر ۱۷۸۶ء کے کلکتہ گزٹ میں گل کرسٹ کی کتاب کا اشتہار ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ حکومت نے اس کی کتاب کے لیے محصول ڈاک معاف کر دیا تھا۔ اشتہار حسب ذیل ہے:

''بعد ادائے مراسم بندگی اپنی کتاب قواعد ولغت کے خریداروں کو اوّلین فرصت میں مطلع کرنا چاہتے ہیں کہ گورنر جنرل باجلاس کونسل نے ان کی کتاب کے لیے محصول ڈاک معاف فرمایا ہے۔ جو حضرات اس کتاب کی ہمت افزائی فرمانا پسند کریں، ان سے درخواست ہے کہ براہ مہربانی وہ اپنے دوستوں یا ایجنٹوں کی معرفت، سابقہ اشتہار نیز کتاب کے دوسرے نمبر کے سرورق کے اشتہار کے مطابق خریداری کی درخواست دیں... جو حضرات اپنے دوستوں کے لیے خریداری منظور فرما کر قیمت ادا کر دیں گے، ان کی ہدایت کے مطابق ان کے دوستوں کو کتاب کے اجزا روانہ کیے جائیں گے......'' (۱۳)

ہندوستانی زبان کے قواعد کی اشاعت

کلکتہ گزٹ میں ایک طویل اشتہار ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کلکتہ پہنچنے کے دو سال

بعد مئی ۱۷۹۶ء میں، اس نے اپنی دوسری کتاب ''ہندوستانی زبان کے قواعد (A Grammar of the Hindoostanee Language) شائع کی۔ اس اشتہار کے مطابق یہ نئی کتاب گل کرسٹ کے ''ہندوستانی لسانیات کے سلسلے کی پہلی جلد کا تیسرا حصہ'' تھی۔ دوسرا حصہ اس وقت تک شائع نہیں ہوا تھا، جو مقدمہ اور لغت کے ضمیمہ پر مشتمل تھا، اور جو ۱۷۹۸ء میں ''ضمیمہ (Appendix)'' کے نام سے شائع ہوا۔

لغت اور قواعد کا ضمیمہ

ہندوستانی زبان کے قواعد کی اشاعت کے دو سال بعد ۱۷۹۸ء میں گل کرسٹ کی تیسری کتاب ضمیمہ (Appendix) کے نام سے شائع ہوئی، جو قواعد ولغت کے مقدمے اور ضمیمے پر مشتمل تھی، اور گل کرسٹ کے ہندوستانی لسانیات کے سلسلے کی آخری کتاب تھی۔

مشرقی زباں داں

۱۷۹۸ء میں ضمیمہ کی اشاعت کے ساتھ ساتھ گل کرسٹ نے ایک اور کتاب ''مشرقی زباں داں'' (Oriental Linguist) شائع کی۔ اس کے سرورق کے مطابق یہ کتاب ''ہندوستان کی مقبول عام زبان کا سیدھا سادھا اور عام فہم دیباچہ'' تھا جس میں ہندوستانی زبان کے قواعد انگریزی ہندوستانی اور ہندوستانی انگریزی لغت کے ساتھ ساتھ عام فہم اور مفید مکالمات قصے، نظمیں اور فوجی آئین کے کچھ حصوں کا ترجمہ بھی شامل کیا گیا تھا۔

''مشرقی زباں داں'' میں ہندوستانی رسم خط استعمال نہیں کیا گیا تھا۔ اس کے پہلے دو باب ......قواعد (۱۶ صفحات) اور انگریزی ہندوستانی لغت (۵۴ صفحات) میں اس کی پہلی تینوں کتابوں کا خلاصہ تھا۔ لیکن اس کا تیسرا باب جو ہندوستانی انگریزی لغت پر مشتمل ہے۔ یقیناً نیا اور قابل قدر اضافہ تھا۔

۱۸۰۰ء میں ولزلی نے فورٹ ولیم کالج قائم کیا، اس کالج کے ہندوستانی شعبے کا صدر ڈاکٹر جان گل کرسٹ کو مقرر کیا گیا۔ گل کرسٹ نے بعض اہم اور بعض اوسط درجے کے افراد کو فورٹ

ولیم کالج میں ملازم رکھ کران سے ترجمہ وتالیف کا کام لیا،گل کرسٹ کی توجہ اور کوششوں کی وجہ سے جدید اردو نثر نگاری کا آغاز ہوا۔

گل کرسٹ ساڑھے تین برس تک فورٹ ولیم کالج میں ہندوستانی شعبے کے صدر کی حیثیت سے کام کرتے رہے؛ اس دور میں تقریباً ۴۲ ہندوستانی مصنفین ،مترجمین اور منشی ان کے شعبے سے متعلق رہے۔

۲۳رفروری ۱۸۰۴ء کو گل کرسٹ نے اپنی بیماری کے باعث یورپ کی واپسی کے متعلق لکھا۔کالج کونسل نے استعفیٰ منظور کرلیا۔

۱۸۰۴ء میں جان گل کرسٹ ایڈنبرا واپس چلے گئے، اس کے بعد ۱۸۱۶ء میں لندن آ گئے۔ یہاں انھوں نے ایک اسکول قائم کیا جہاں ایسٹ انڈیا کمپنی میں ملازم ہونے والے امیدواروں کو تعلیم دیتے تھے۔ابھی ۲ سال بھی پورے نہ ہوئے تھے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے خود ۱۸۱۸ء میں لیسسٹر اسکوائر (Leicester Square) میں ایک ادارہ اورینٹل انسٹی ٹیوٹ (Oriental institute) قائم کردیا۔اس ادارے میں اردو کی پروفیسری گل کرسٹ نے قبول فرمائی،اس ادارے میں خاص طور پر طبی عہدے دار تعلیم پاتے تھے۔۱۸۲۵ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے بورڈ آف ڈائریکٹرز نے اس ادارے کو ختم کردیا۔ادارے کی برخاستگی کے بعد بھی ایک سال تک ڈاکٹر گل کرسٹ اپنے طور اس کو چلاتے رہے۔ بالآخر انھوں نے اس ادارے کے انتظامی امور مسٹر سنڈ فورڈ ارناو (Sand Ford Arnot) اور ڈنکن فاربس (Duncan Forbes) کے سپرد کیے اور اپنے وطن ایڈنبرا واپس چلے گئے۔تبدیلی آب وہوا اور علاج کے لیے فرانس کا سفر کیا، پیرس میں ہی ۹رجنوری ۱۸۴۱ء کو ۸۲ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

خلیل الرحمن داؤدی ''قواعدِ زبان، اُردو'' کے مقدمہ میں جان گل کرسٹ کی تالیفات و تصنیفات کی فہرست پیش کرتے ہیں جو کہ درج ذیل ہے:

۱) انگریزی، ہندوستانی لغت (دو جلدیں)، (A Dictionary English and Hindoostanee)، پہلا ایڈیشن کلکتے سے ۱۷۸۶ء۔۱۷۹۰ء، دوسرا ایڈیشن ایڈنبرا سے ۱۸۱۰ء میں تیسرا لندن سے ۱۹۲۵ء چوتھا لندن سے ۱۸۵۰ء میں۔

۲) ہندوستانی زبان کے قواعد (A Grammar of the Hindoostanee Language)، پہلا ایڈیشن کلکتے سے ۱۷۹۶ء میں، دوسرا کلکتے سے ہی ۱۸۰۹ء میں۔

۳) ضمیمہ (لغت وقواعد کا) The Appendix پہلا ایڈیشن کلکتے سے ۱۷۹۸ء۔

۴) مشرق زبان دان The Oriental Linguist پہلا ایڈیشن کلکتے سے ۱۷۹۸ء میں، دوسرا کلکتے سے ہی ۱۸۰۲ء میں۔

۵) ہندوستانی زبان پر مختصر مقدمہ The Anti Jargonist پہلا ایڈیشن کلکتے سے ۱۸۰۰ء میں۔

۶) نو ایجاد یعنی نقشہ افعال فارسی مع مصدرات آں و مترادف ہندوستانی، A New Theory and Prospects of Persian، پہلا ایڈیشن کلکتے سے ۱۸۰۱ء، دوسرا ایڈیشن کلکتے سے ۱۸۰۴ء۔

۷) ہندی کی آسان مشقیں (Hindee Exercises for the First & Second Examinations in Hindustanee, at the college of Fort William, Calcutta)، پہلا ایڈیشن ۱۸۰۱ء میں کلکتے سے۔

۸) معلم ہندوستانی (The Stranger's East India Guide to the Hindoostanee, or Grand Popular Language of India)، پہلا ایڈیشن کلکتے سے ۱۸۰۲ء میں، دوسرا لندن سے ۱۸۰۸ء میں، تیسرا لندن سے ۱۸۳۰ء میں۔

۹) بیاض ہندی (The Hindee Manual or Casket of India)، پہلا ایڈیشن کلکتے سے ۱۸۰۲ء۔۱۸۰۰ء میں، (دو جلدیں)۔

۱۰) عملی خاکے (Practical Outlines or a Sketch of

(Hindoostanee Orthoapy in the Roman Characters)، پہلا ایڈیشن کلکتے سے ۱۸۰۲ء میں۔

۱۱) ہندی الفاظ کی قرأت (The Hindee Roman Orthoepical Ultimatum)، پہلا ایڈیشن کلکتے سے ۱۸۰۴ء میں۔

۱۲) اتالیق ہندی (The Hindee Moral Preceptor, and Persian Scholar's Shortest Road to the Hindustanee Language, or Vice Versa)، پہلا ایڈیشن کلکتے سے ۱۸۰۳ء میں، دوسرا لندن سے ۱۸۲۱ء میں۔

۱۳) ہندی ، عربی آئینہ (Hindee Arabic Mirror)، پہلا ایڈیشن کلکتے سے ۱۸۰۴ء میں۔

۱۴) مکالمات انگریزی و ہندوستانی (Dialogue English and Hindee) متعدد ایڈیشن کلکتے، ایڈنبرا اور لندن سے شائع ہوئے۔

۱۵) مشرقی قصے (The Oriental Fabulist)، پہلا ایڈیشن کلکتے سے ۱۸۰۳ء میں۔ دوسرا ایڈیشن ایڈنبرا سے ۱۸۰۹ء

۱۶) ہندی داستان گو (The Hindee Story Teller)، پہلا ایڈیشن کلکتے سے ۱۸۰۲ء ۱۸۰۳ء میں، دوسرا کلکتے سے ۱۸۰۶ء میں۔

۱۷) The General East India Guide and Vade-Mecum، پہلا ایڈیشن لندن سے ۱۸۲۵ء میں۔ (۱۴)

انگریزی ہندوستانی لغت کا جائزہ

ہندوستانی لسانیات پر کام کرنے کا جو وسیع خاکہ اس کے ذہن میں تھا، اس سلسلے کی پہلی

کڑی اس کا انگریزی ہندوستانی لغت تھا، جس کا پہلا حصہ ۱۷۸۶ء میں اور دوسرا ۱۷۹۰ء میں کلکتے سے شائع ہوا۔

اس لغت کا ایک قابلِ ذکر پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں انگریزی الفاظ کے معنی اردو رسم الخط میں درج کیے گئے ہیں۔ اس معاملے میں گریرسن کو غلط فہمی ہوئی ہے اور اس نے لکھا ہے کہ معنی رومن رسم الخط میں لکھے گئے ہیں۔ ممکن ہے کہ گریرسن نے وہ ایڈیشن دیکھا ہو جس میں معنی اردو کے بجائے رومن رسم الخط میں لکھے گئے تھے۔

لغت کے دوسرے حصے میں اُس زمانے کے دستور کے مطابق خریداروں کی فہرست ہے۔ اس میں ہندوستانیوں کے نام بھی شامل ہیں۔ عتیق صدیقی لکھتے ہیں کہ اُس میں ہندوستانیوں کے نام نظر انداز کیے جاتے تھے۔ انگریز خریداروں کے نام لکھنے کے بعد آخر میں نیٹوز (دیسی خریداروں) کی مجموعی تعداد درج کر دی جاتی تھی۔ اس فہرست کے مطابق گل کرسٹ کے لغت و قواعد کے خریداروں کی مجموعی تعداد ۴۶۱ تھی ان میں سے ۳۳ ہندوستانی تھے، ۱۲ ہندو اور ۲۱ مسلمان۔ گل کرسٹ کے لغت کا مکمل ایڈیشن ۱۸۱۰ء میں اس کے وطن ایڈن برا سے شائع ہوا۔ اس ایڈیشن کے سرورق پر گل کرسٹ کے ساتھ ساتھ تھامس روبک کا نام بھی نظر آتا ہے، جس نے اس ایڈیشن کی ترتیب میں گل کرسٹ کا ہاتھ بٹایا تھا۔ گل کرسٹ نے ہندوستانی لغت کا بھی ذکر کیا ہے، جو اس کے ہندوستانی لسانیات کے سلسلے کی دوسری کڑی تھی۔

ہندوستان سے واپس جانے کے بعد ہندوستانی زبان کی خدمات کے سلسلے میں ایڈن برا یونیورسٹی نے اسے ایل ایل ڈی کی اعزازی ڈگری دی تھی۔

اس لغت کے نئے ایڈیشن کے ساتھ گل کرسٹ نے ہندوستانی زبان کے قواعد پر چونسٹھ صفحات پر مبنی ایک جامع مقدمہ بھی شامل کیا تھا اور لغت کا حصہ تہتر صفحات پر مشتمل تھا۔ انگریزی الفاظ کے ہندوستانی معنی، اس لغت میں، رومن رسم خط میں لکھے گئے تھے۔ نیز انگریزی کے معنی انگریزی میں بھی درج کیے گئے تھے، مثلاً پہلے دو لفظوں کے معنی اسی طرح درج کئے گئے ہیں:

Abaft, pichhwara(پچھواڑا)Behind, rear.

Abondon, Chhorna (چھوڑنا)turk-k(ترک کرنا)to desert

عتیق صدیقی لغت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ہندوستانی رسم خط اس کتاب میں کسی جگہ استعمال نہیں کیا تھا، اگرچہ اس وقت انگلستان میں فارسی اور دیوناگری رسم خطوں کے ٹائپ کا استعمال شروع ہو چکا تھا۔ الفاظ کے معنیٰ سمجھانے کے لیے اردو اور ہندی اشعار بھی رومن میں درج کیے گئے تھے۔ مثلاً Babe کے معنی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''میاں کا لفظ بھی بچے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور اس کے ثبوت میں مسکیںؔ کا یہ شعر پیش کیا ہے۔

پس میں کس سے کہوں گی آ جا میاں کے بابا
جس دم ہڑک ہڑک کے مر جاوے گا یہ بالا

اس طرح Begin کے معنوں میں لگنا کی مثال کے لیے میر سوزؔ کا یہ مصرع درج کیا گیا۔

یہ غنچہ تو کچھ کھلتے ہی مرجھانے لگا

یا Biten کے معنیٰ 'کاٹا' بتلاتے ہوئے یہ کہاوت درج کی ہے

سانپ کاٹا سوے بچھی کا کاٹا روے

لغت کی تیاری کے سلسلے میں گل کرسٹ نے جن ہندوستانیوں سے مدد لی تھی، ان میں ایک بزرگ معین الدین فیضؔ بھی تھے۔'' (۱۵)

اردو الفاظ کی اصل کی طرف ابتدائی حروف ع، ف، یا رہ، سے نشان دہی کی گئی ہے۔ اردو مترادفات کے ساتھ انگریزی مترادفات بھی شامل کر دیے گئے ہیں، جس کی وجہ سے اسے انگریزی، ہندوستانی۔ انگریزی لغت، کہا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ ہندی کے ہکاری الفاظ کو موجودہ رسم الخط کے مطابق نہ لکھ کر سادہ ہائے ہوز سے لکھا گیا ہے اور رومن رسم الخط میں اس کے

نیچے چھوٹی اور ہلکی لکیر لگا دی گئی ہے تاکہ امتیاز قائم ہو سکے۔ اصلاح وترمیم اور اضافے کے بعد یہ لغت ''ہندوستانی فلولوجی'' کے نام سے دوسری بار ۱۸۱۰ء میں ایڈنبرا سے اور تیسری بار ۱۸۲۵ء میں لندن سے شائع ہوئی۔

خلیل صدیقی ''لسانی مباحث'' میں شکایت کرتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ اردو متبادل اکٹھے کرنے کے رجحان نے بھی لغت کی صحت کو نقصان پہنچایا ہے۔ بعض غیر معقول اردو متبادل بھی جمع کر دیے ہیں۔ کہیں کہیں معنی اور لفظ کی اصل کے تعین سے متعلق قیاس سے کام لیتا ہے مثلاً اس نے ''مون سون'' کو ''موسم'' کی بگڑی ہوئی شکل کہا ہے۔ اسی طرح "Masoleum" کے ضمن میں نور جہاں کو شاہ جہاں کی بیوی بنا کر دونوں کو تاج محل میں مدفون کیا ہے۔

یہ بات پہلے بھی کی جا چکی ہے کہ اہلِ یورپ کی اُردو خدمات کا ذکر کرتے ہوئے ہمیں یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ اُن کے درپردہ عزائم کیا تھے۔ اور وہ عزائم کسی سے ڈھکے چھپے ہوئے بھی نہیں۔ تاہم غلام عباس نے اپنے مضمون ''گلکرسٹ کی عجیب لغت نگاری'' اور ڈاکٹر مسعود ہاشمی نے ''اُردو لغت نویسی کا تنقیدی جائزہ'' میں گل کرسٹ کی سامراجی سوچ کی نشان دہی کی ہے جسے ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ لیکن اس سے گل کرسٹ کے ادبی ولسانی مقام میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ اہلِ زبان وادب اُسے اپنا مربی تسلیم کرتے ہیں۔ ڈاکٹر مسعود ہاشمی رقمطراز ہیں:

''گل کرسٹ کی مدون کردہ اس لغت کے مطالعے سے جہاں اس کی بعض خوبیاں سامنے آتی ہیں اور اس کے مؤلف کی اس محنت اور مشقت کا اندازہ ہوتا ہے جو اس نے تحقیق و تدوین کے سلسلے میں اٹھائی ہوں گی۔ وہیں بعض الفاظ کی دلچسپ تشریحات سے اس کی کچھ بوالعجبیاں بھی سامنے آتی ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف لغت ہندوستانیوں اور انگریزوں کو دو مختلف خانوں میں رکھ کر قدم قدم پر انگریزوں کو خبردار بھی کرتا جاتا ہے کہ وہ ہندوستانی الفاظ کے استعمال میں احتیاط سے کام لیں ورنہ وہ بھی ہندوستانیوں کی ابلہ فریبیوں کا شکار ہو جائیں گے۔ اس لحاظ

سے اس لغت کو اگر ''ہدایت نامۂ افرنگ'' کہا جائے تو نادرست نہ ہوگا۔ مثال کے طور پر لفظ ''Mistress'' کے اردو میں معنی صاحبہ، خاتون، بوانی، بی بی، دینے کے بعد لفظ ''بی بی'' کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ جتنا غلط استعمال اس لفظ کا ہوتا ہے شاید ہی کسی اور لفظ کا ہوتا ہو، یعنی جب ٹکے ٹکے کے آدمی ہمارے سامنے اپنی جورو کا ذکر کرتے ہیں تو اس کے لیے ''بی بی'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور ہماری صبر آزمائی کی انتہا یہ ہے کہ ہم اس لغویت کو برداشت کرتے ہیں بلکہ خود اس کے مضحک تماشے کو ہوا دیتے ہیں۔ خود ہی ''سائیس کی بی بی'' اور ''مشعلچی کی بی بی'' استعمال کرتے ہیں۔ مختصر یہ کہ بادشاہ سے لے کر موچی کی جورو تک سب کی سب بیبیوں کا درجہ رکھتی ہیں۔ پھر اس لفظ کے تحت ''بی بی صاحب'' کا ترجمہ انگریزی میں، لیڈی لارڈ'' دے کر یہ لکھا گیا ہے کہ یہ کس قدر مہمل اور بھونڈا اسلوب بیان ہے۔

اس قسم کی بے شمار مثالوں میں سے ایک مثال ''Thow'' (تو) کی تشریحات سے بھی دی جاسکتی ہے جس کے تحت ایک طویل نوٹ میں کمپنی کے انگریزی افسران کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ...... '' ہمارے نوکر چاکر، اور دیسی سپاہی، اردو سے ہماری واقفیت کے باعث بڑا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ وہ اپنے مالکوں سے تو تکار کر کے بات کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ آپس میں ایسا نہیں کرتے ....
اس سے ان کا مقصد اپنی شان دکھانا اور اپنے بھائی بندوں اور کسانوں پر رعب جمانا ہے، راجپوت لوگ جن کو اپنی ذات پر گھمنڈ ہے خاص طور پر اس شرارت کے مرتکب ہوتے ہیں اس لیے اگر کوئی دیسی سپاہی کسی انگریز افسر کے ساتھ اس طرح بدتمیزی سے پیش آئے تو اس کو یہ الفاظ کہہ کر ڈانٹ دینا چاہیے:۔
''ابے تو خبردار ہو! ہم سے توں تاں جو کدھر پھر کری تو تو خوب مار کھائے گا، ہم تیری

ایسی بے ادبی ہرگز برداشت نہیں کریں گے۔'' (۱۶)

مگر حقیقت یہ ہے کہ ان سب اعتراضات کے باوجود گل کرسٹ کی لغت اس قدر اہم ہے کہ بعد کے تمام یورپی لغت نویسوں نے اس کی پیروی کی۔ اُس نے صرف معیاری زبان تک ہی خود کو محدود نہیں رکھا بلکہ عام اور غیر معیاری زبان کو بھی مدِنظر رکھا۔ زیادہ سے زیادہ معنی فراہم کیے۔ الفاظ کی وضاحت کے لیے فقرے، کہاوتیں اور اساتذہ کے اشعار پیش کیے۔ کہا جاسکتا ہے کہ یہ لغت اپنے میدان میں روشنی کا مینارہ ثابت ہوئی۔

کپتان جوزف ٹیلر

ڈاکٹر عطش درانی کے بقول فورٹ ولیم کالج کے ایک استاد کپتان جوزف ٹیلر نے ایک لغت ۱۸۰۵ء میں کلکتہ میں مرتب کیا تھا، جسے مختصر طور پر کارمیکال اسمتھ نے شائع کیا تھا۔

ولیم ہنٹر

فورٹ ولیم کالج میں گل کرسٹ کے بعد سب سے زیادہ مشہور ولیم ہنٹر ہیں۔ ۱۸۰۸ء میں ہندوستانی ۔۔ انگریزی لغت لکھی اور فارسی اور اردو کے ضرب الامثال کا مجموعہ بھی ترتیب دیا۔ آپ ۱۷۵۵ء میں پیدا ہوئے۔ تعلیم ماریشل کالج اور Aberdeen یونیورسٹی میں حاصل کی۔ ۱۷۸۱ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت کے سلسلے میں ہندوستان آئے اور آگرہ ریذیڈنسی کے سرجن رہے۔ ۱۷۸۵ء میں پیگو کا سفرنامہ لکھا۔ گیارہ برس ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے سیکرٹری رہے۔ (۱۷۹۸ء۔۔۱۸۱۱ء) فورٹ ولیم کالج میں فارسی اور ہندوستانی کے ممتحن اور سیکرٹری رہے۔ ایشیاٹک ریسرچز نامی رسالے میں مقالے شائع کرتے رہے۔ عہد نامہ جدید کے اردو تراجم پر نظرثانی کی۔ دسمبر ۱۸۱۲ء میں جاوا میں انتقال ہوا۔

جان شیکسپیئر

اس لغت کی محض تاریخی اہمیت ہی نہیں بلکہ اس کی عملی افادیت کسی طرح بھی دوسری لغات سے کم نہیں۔ اردو کی تمام لغات بالواسطہ یا بلا واسطہ شیکسپیئر کی لغت سے متاثر ہوئی ہیں۔ ''کتبِ لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ'' جلد سوم میں وارث سرہندی نے جان شیکسپیئر کی لغت کا بھر پور جائزہ لیا ہے۔ اس جائزے کا ابتدائی حصہ ذیل میں پیش ہے:

جان شیکسپیئر کی اس زیرِ نظر لغت کی بنیاد کیپٹن جوزف کی تالیف A Dictionary,Hindoostani and English (ہندوستانی اور انگریزی لغت) ہے' جو موصوف نے اپنے ذاتی استعمال کے لیے مرتب کی تھی۔ اس کو بعد میں فورٹ ولیم کالج کے مقامی فضلاء کی مدد سے نظر ثانی کے بعد ڈبلیو ہنٹر نے طباعت کے لیے تیار کیا، جو پہلی بار ۱۸۰۸ء میں کلکتے سے شائع ہوئی۔ مؤلفین کی وفات کے بعد جب یہ لغت نایاب ہوگئی تو کیپٹن ٹیلر اور ڈاکٹر ہنٹر کے مسودے پر مبنی اس کی پہلی طباعت ۱۸۱۸ء میں لندن میں منظر پر آئی۔

اگرچہ اس کا بنیادی مواد وہی تھا، جو کیپٹن جوزف ٹیلر اور ڈاکٹر ہنٹر نے جمع کیا تھا، مگر بعد میں ضروری ترمیم و اضافہ بلکہ قطع و برید کے بعد از سرِ نو مرتب کر کے اسے ۱۸۳۰ء میں شائع کیا گیا پھر اس کی تیسری اشاعت مزید اضافوں کے بعد عمل میں آئی۔ اس اشاعت میں اشاریہ بھی شامل کیا گیا، جس سے اس کی افادیت دو چند ہوگئی، یعنی اس اشاریے کی وجہ سے اسے انگریزی، اردو کی لغت کی حیثیت سے بھی کام میں لایا جاسکتا ہے۔

اس لغت کی چند اہم خصوصیات حسب ذیل ہیں:

۱۔ اگرچہ ہر لفظ کی سند پیش کرنے کا التزام نہیں کیا گیا، کیونکہ اس صورت میں ضخامت بہت بڑھ جاتی ہے، لیکن الفاظ کی صحت کا خیال رکھا گیا ہے۔ تلفظ کے سلسلے میں فیلن کی لغت سے اس کا معیار کہیں بلند تر ہے۔

۲۔ ہر لفظ کے صحیح ماخذ کی تلاش کی پوری کوشش کی گئی ہے اور اس کا نتیجہ ہے کہ بیش تر ماخذ صحیح درج ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر ایس۔ ڈبلیو فیلن نے عربی اور فارسی الفاظ کے مآخذ کی تلاش میں جابجا ٹھوکریں

کھائی ہیں۔ مگر شیکسپیئر نے اس بات میں بہت حزم و احتیاط سے کام لیا ہے اور بالخصوص عربی اور فارسی الفاظ کے مآخذ بڑی حد تک درست درج کیے ہیں۔

۳۔ ضرب الامثال کا حصہ کمزور ہے۔ یا یوں کہیے کہ ضرب الامثال بہت کم درج کی گئی ہیں۔ حالانکہ ضرب الامثال اپنی الگ اہمیت و افادیت رکھتی ہیں اور ان کے استعمال سے کام میں بلاغت، برجستگی اور جامعیت پیدا ہوتی ہے۔ بہر حال یہ الگ بحث ہے۔ تاہم کہیں کہیں بعض اشعار اور دوہے درج ہیں اور ان کا انگریزی ترجمہ بھی پیش کیا گیا ہے، جس کے سبب ان کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور الفاظ کا محلِ استعمال بھی واضح ہو جاتا ہے۔

۴۔ عموماً کتبِ لغت میں اعلام کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے مگر اس لغت میں اعلام کی ایک بڑی تعداد بھی شامل ہے۔ جس سے اس لغت کی افادیت میں بلاشبہ اضافہ ہوا۔ بعض تاریخی اعلام کا تلفظ مختلف زبانوں میں مختلف ہے۔ چنانچہ اس لغت میں اعلام کے شمول کا ایک اضافی فائدہ یہ ہوا ہے کہ قاری کو اردو میں رائج بعض اعلام کی عربی اور فارسی صورتوں کے ساتھ ساتھ ان کی انگریزی صورتیں بھی معلوم ہو جاتی ہیں۔ اردو انگریزی یا انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرنے والوں کے لیے اس طرح بہت سہولت پیدا ہوگئی ہے۔

۵۔ دکنی الفاظ یا اردو الفاظ کے دکنی لہجے کو خاص طور پر شامل کیا، جس سے اردو کی تدریجی ترقی کے مطالعے میں بہت مدد مل سکتی ہے۔

۶۔ معانی کے زیادہ پہلو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور بعض اوقات اس کوشش یا شوق میں توغل کے باعث کسی لفظ کے ایسے معانی بھی درج ہو گئے ہیں جن کا کوئی تعلق اور قرینہ متعلقہ لفظ سے نظر نہیں آتا۔ کہیں کہیں معاملہ معنوی پہلو نظر انداز ہو گئے ہیں۔ مثلاً ''غایط'' کے معنی صرف Excrement یعنی فضلہ درج کیے گئے ہیں، حالانکہ یہ لفظ، پست، گڑھا اور قضائے حاجت کی جگہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

ان خوبیوں کے ساتھ ساتھ بعض کوتاہیاں بھی موجود ہیں۔ جن کا اجمالی خاکہ مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ ترتیب میں تراکیب اور محاورات ان کے بنیادی الفاظ کے تحت درج نہیں کیے گئے، بلکہ ہر محاورہ اور ترکیب بنیادی لفظ کی حیثیت سے درج ہے، اگرچہ ترتیب کا یہ بھی ایک انداز ہے، مگر اس انداز میں یہ قباحت ہے کہ ذیلی محاورات اور تراکیب کی تلاش میں قاری کو خاصی دقت پیش آئی ہے۔

۲۔ معانی کے اندراج میں کہیں کہیں ناہمواری پیدا ہوگئی ہے۔ کہیں کسی لفظ کے لغوی معنی درج ہیں تو مجازی معنی غائب ہیں اور کہیں مجازی معنی مذکور ہیں تو لغوی معنی نظرانداز ہوگئے ہیں۔

۳۔ ہائے مخلوط اور ہائے ملفوظ کی کتابت میں کوئی امتیاز روا نہیں رکھا گیا، حالانکہ اردو میں ہائے مخلوط کے لیے ہائے دوچشمی لکھی جاتی ہے۔ یہی حال ہائے معروف اور ہائے مجہول کا ہے۔ ان میں بھی کوئی فرق نہیں رکھا گیا غالباً طرز املا کا اثر ہے۔

۴۔ بہت سی ذیلی تراکیب ترک کر دی گئی ہیں۔ مگر لغت نگار کو انتخاب کا حق حاصل ہے وہ اپنی صوابدید کے مطابق بعض الفاظ و تراکیب کو شامل کرتا ہے اور بعض کو ترک کر دیتا ہے۔ خاص طور پر ضخامت کا مسئلہ بیچ میں آ جائے تو ضخامت کو قابو میں رکھنے کے لیے ایسا کرنا پڑتا ہے۔ مؤلف نے اس لغت کے جامع ترین ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ اس لیے بعض تراکیب کے ترک پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔

۵۔ انگریزی الفاظ کے سلسلے میں ہجوں (spelling) کی غلطیاں موجود ہیں۔ لیکن ان کو نظرانداز کیا جا سکتا ہے، کیونکہ عین ممکن ہے کہ ان کا تعلق مؤلف سے نہ ہو بلکہ طباعت سے ہو۔

۶ بعض الفاظ کے صرف لاطینی (لاتینی) نام درج کر دیے ہیں حالانکہ ان کے عام فہم انگریزی نام بھی موجود ہیں۔ فحش الفاظ کے سلسلے میں تو اس کا جواز ہو سکتا ہے، اگرچہ میرے نقطۂ نظر کے مطابق کوئی لفظ فحش نہیں ہوتا بلکہ استعمال اور انداز بیان فحش ہوتا ہے۔ لیکن عام الفاظ کے ضمن میں یہ دوش بہرحال قابلِ اعتراض ہے۔ مثلاً "نخود" کے معنی a kind of pulse لکھنے کے بعد Cicer arietinum لکھا ہے۔ اس تشریح سے ایک عام قاری کے پلے کچھ

نہیں پڑتا حالانکہ اس کا عام فہم انگریزی مترادف gram موجود ہے۔ مگر اسے نظرانداز کر دیا ہے۔

۷۔ اکثر الفاظ کے لسانی تعین کے سلسلے میں ان کی موجودصورت کو نظرانداز کر دیا ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ بہت سے اردو اور ہندی الفاظ کو سنسکرت کے طور پر درج کیا ہے۔ محض اس بنا پر کہ وہ سنسکرت سے ماخوذ ہیں۔ اسی طرح بہت سے اردو اور فارسی الفاظ کو عربی ظاہر کیا ہے، محض اس وجہ سے کہ وہ عربی سے ماخوذ ہیں حالانکہ وہ اپنی موجودصورت میں سنسکرت اور عربی میں مستعمل نہیں ہیں۔ ان کو تصرف کے بعد اردو، ہندی یا فارسی میں شامل کیا گیا ہے۔ اس لیے ان کو ان کی موجودہ صورت کے لحاظ سے اردو، ہندی یا فارسی الفاظ کے طور پر درج کرنا چاہیے۔ جیسا کہ فیلن نے کیا ہے اگر زیادہ احتیاط اور وضاحت مقصود ہو تو یہ صورت ہو سکتی ہے کہ ایسے الفاظ کو ان کی موجودصورت کے مطابق لسانی تعین کے بعد یہ صراحت کر دی جائے کہ وہ کس زبان سے ماخوذ ہیں اور اس کی اصل کیا ہے۔

۸۔ بعض الفاظ کو خواہ مخواہ عربی بنانے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ عربی سے ان کا دور کا تعلق بھی نہیں ہے۔ مثلاً "مسوڑا" کو عربی لفظ کی حیثیت سے درج کیا ہے ہو سکتا ہے یہ سہو کتابت ہے۔ (۱۷)

کپتان ٹامس روبک

روبک ۱۷۸۱ء میں لنلتھگو شائر میں پیدا ہوئے اور ایڈنبرا میں تعلیم پائی۔ ۱۸۰۱ء کے اوائل میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازم ہو کر ہندوستان آئے۔ روبک گل کرسٹ کے معاونین میں سے تھا۔ پہلے فوج میں لیفٹیننٹ (۱۸۱۲ء) اور پھر کپتان (۱۸۱۵ء) کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ان کو اردو زبان اور اس کے ادب سے خاص شغف تھا۔ ڈاکٹر آغا افتخار حسین کے مطابق روبک ۱۸۰۵ء میں خرابی صحت کی بنا پر واپس انگلستان چلا گیا تھا وہاں جان گل کرسٹ کے ساتھ انگریزی

ہندوستانی لغت کی تدوین میں مصروف رہا۔۱۸۱۰ء میں واپسی پر اسمائے بحر کے متعلق لغت جہاز رانی ۱۸۱۱ء میں شائع کی۔ اس میں بحریہ اور جہاز رانی کی تمام اصطلاحیں اور الفاظ انگریزی اردو میں جمع کیے گئے ہیں۔اس کتاب میں ایسے الفاظ بھی شامل ہیں جو انگریز کمانڈروں کو میدان جنگ اور بارکس میں ہندوستانی سپاہیوں کے ساتھ بول چال میں کارآمد ہوسکتے تھے۔دوسال بعد یعنی ۱۸۱۳ء میں اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن لندن سے شائع ہوا۔ یہ لغت رومن رسم الخط میں لکھی گئی۔ ڈاکٹر عطش درانی کے بقول اس کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔

اسی کتاب کا چھٹا ایڈیشن لشکری لغت کے نام سے اضافے اور ترمیم کے ساتھ جارج اسمال نے ۱۸۸۲ء میں شائع کیا۔۱۸۱۱ء میں روبک کا تقرر فورٹ ولیم کالج میں اسسٹنٹ سیکرٹری کے عہدہ پر ہوا۔۱۸۱۸ء میں انڈین انٹر پریٹر کے نام سے ایک کتاب شائع کی۔روبک کی ایک کتاب فورٹ ولیم کالج کی تاریخ پر The Annals of Fort William College Calcutta ۱۸۱۹ء میں چھپی۔اسی سال انتقال ہوا اور کلکتے کے قبرستان میں دفن ہوا۔وہ پہلے فورٹ ولیم کالج کے معتمد اور ممتحن مقرر ہوئے۔

کارمیکال سمتھ (Charlmachael Smith)

جوزف ٹیلر اور ولیم ہنٹر کے لغت پر مبنی ایک اور اردو انگریزی لغت کارمیکال سمتھ نے چند اضافوں کے ساتھ ۱۸۲۰ء میں لندن سے شائع کیا۔ یہ لغت ۷۸۲ صفحات پر مشتمل تھا۔

اے سی ڈیروزیاریو (D'Rozario)

روزاریو نے انگریزی، بنگالی اور اردو کی لغات لکھی جو ۱۸۲۵ء میں کلکتہ سے شائع ہوئی ہفت روزہ ''سماچار درپن'' میں ۲۸ مارچ ۱۸۲۵ء کے اشتہار کی رو سے یہ کتاب ۵۰۰ صفحات پر مشتمل رومن حروف میں شائع ہوئی۔اس کی قیمت ۶ روپے ۸ آنے تھی۔

جے ٹی تھامپسن

۱۸۲۷ء میں جے ٹی تھامپسن کے ''ڈکشنری آف اردو اینڈ انگلش'' شائع کی۔اس لغت کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں پہلی مرتبہ ہندوستانی کی بجائے اُردو کا لفظ استعمال کیا گیا۔۱۸۳۸ء کا ایک نسخہ جو سیرام پور سے شائع ہوا پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔

ایم ٹی آدم

ڈاکٹر ایم ٹی آدم کی ''ہندی ڈکشنری'' ۱۸۳۸ء میں کلکتہ سے شائع ہوئی۔ڈاکٹر فوربز نے اپنے لغت میں اس کا حوالہ دیا ہے۔انہوں نے اس کے دوسرے ایڈیشن سے استفادہ کیا تھا۔

ژاں تولور

ایڈلف پانز

چیکوسلواکیہ میں اردو کا پہلا لغت ژاں تولو (Jan Tolar) اور ایڈالف پانز (Adolf Panz) کا مرہونِ منت ہے۔آغا افتخار حسین لکھتے ہیں کہ چیک اور ہندوستانی کے دو لغت شائع ہوئے۔ایک ہندوستانی سے چیک زبان کا اور دوسرا چیک سے ہندوستانی زبان کا۔یہ لغات پراگ سے ۱۸۴۱ء میں شائع ہوئے۔

ہنری ایم ایلیٹ

ہندوستانی اصطلاحات کا ایک لغت ''گلاسری'' کے نام سے ہنری ایم ایلیٹ نے ۱۸۴۵ء میں آگرہ سے شائع کیا۔وہ بنگال سول سروس میں ملازم تھا۔اس کا ضمیمہ ۱۸۶۹ء میں لندن سے شائع ہوا، جس کی ضخامت ۳۹۶ صفحات تھی۔

ڈنکن فوربز

ڈنکن فوربز اور ڈاکٹر فیلن اُن انگریزوں میں بہت ممتاز ہیں جنھوں نے اردو لغت نویسی میں قابلِ قدر کام انجام دیا۔ ۱۸۴۶ء میں انھوں نے ہندوستانی قواعد پر کتاب شائع کی جس میں اردو سے انگریزی لغت بھی شامل ہے۔ پروفیسر ایس کے حسینی کے بقول اس لغت میں علمی بول چال اور گنوار بولی کے الفاظ بھی شامل ہیں جو یقیناً ایک صحت منداقدام تھا۔ اس میں دکنی الفاظ کا کافی ذخیرہ بھی ملتا ہے۔ اس نے لفظ کے معنی لکھتے وقت ادیبوں اور شاعروں کے اشعار سے سند پیش نہیں کی۔ اس نے اپنے پیش روؤں کے لغات سے الفاظ لے کر اُن میں اضافہ کیا ہے اور یہ کوئی غلط بات نہیں۔

مقتدرہ قومی زبان سے شائع ہونے والے سلسلے ''کتبِ لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ'' کی جلد ہفتم میں وارث سرہندی نے اس لغت کا جائزہ لیا ہے۔ انھوں نے اس لغت کے صرف پہلے حصے (اردو، انگریزی) کا جائزہ لیا ہے۔ ذیل میں اُن کی طرف سے دیا گیا 'ڈنکن فوربس کے لغت کا اجمالی تعارف' پیش کیا جارہا ہے:

> ''ڈنکس فوربس کی یہ ڈکشنری دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ اردو، انگریزی اور دوسرا انگریزی، اردو لغت پر مشتمل ہے۔ چونکہ ہمارا تعلق صرف پہلا حصہ سے ہے اس لیے یہاں اسی پر گفتگو کی جائے گی۔
>
> یہ ڈکشنری ۱۸۴۷ء میں مکمل ہوئی میرے سامنے اس وقت اس کا دوسرا ایڈیشن ہے جسے ترمیم و اضافہ کے بعد Wm.H.Allen&Co نے لندن میں شائع کیا۔
>
> اس کے مؤلف ڈنکس فوربس کنگز کالج لندن میں السنہ شرقیہ کے استاد تھے۔ موصوف کو اردو پڑھانے کا تیس سال کا طویل تجربہ تھا۔ اسی تجربہ کی بناء پر

> مؤلف نے یہ لغت مرتب کیا اور اسے ہر طرح مکمل بنانے کی کوشش کی تاکہ اردو زبان کے طلبہ اس سے بیش از بیش فائدہ اٹھا سکیں۔
>
> مؤلف نے اپنے اس لغت کی بنیاد ولیم ہنٹر کے ہندوستانی انگریزی لغت کو بنایا، مگر محض اس پر انحصار نہیں کیا بلکہ اردو اور فارسی کی اعلیٰ ادبی کتابوں میں استعمال ہونے والے الفاظ کے ساتھ ساتھ روزمرہ گفتگو کے الفاظ بھی زیادہ سے زیادہ اس لغت میں شامل کیے۔ جو الفاظ عموماً استعمال نہیں ہوتے، ان کو شامل نہیں کیا۔ ضرب الامثال کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی، اس لیے اس میں بہت کم ضرب الامثال نظر آتی ہیں۔ مستشرقین کی مرتب کردہ کتبِ لغت میں ضرب الامثال کا تناسب بالعموم کم ہی نظر آتا ہے۔ البتہ ڈاکٹر فیلن کا لغت اس سے مستثنیٰ ہے۔ اس میں ضرب الامثال کی اچھی خاصی تعداد پائی جاتی ہے۔
>
> فارسی الفاظ کی معقول تعداد شامل لغت کی گئی ہے خصوصاً شیخ سعدی کی گلستان اور بوستان میں استعمال ہونے والے الفاظ کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔
>
> ہندی، سنسکرت اور عربی کے وہ الفاظ جو اردو تحریر میں بالعموم استعمال ہوتے ہیں، ان کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا مؤلف نے اس زمانے میں دستیاب قریباً تمام فارسی، ہندی، اردو، سنسکرت اور عربی کتب لغت سے استفادہ کیا۔ علاوہ بریں جو الفاظ ان لغات میں موجود نہ تھے، مگر مؤلف کو تدریس کے دوران معلوم ہوئے ان کو بھی شامل کیا۔ غرض ہر ممکن طریقے سے اس لغت کو جامع بنانے کی کوشش کی۔
>
> اس کی ضخامت اگرچہ قریباً آٹھ سو صفحات ہے، لیکن طباعت میں باریک حروف استعمال کر کے زیادہ سے زیادہ مواد کھپانے کی کوشش کی، جس میں مؤلف بڑی حد تک کامیاب رہا۔ مختلف محکموں میں مستعمل اصطلاحات کی شمول سے اس لغت کی جامعیت اور افادیت میں بہت اضافہ کی ہے۔

مؤلف نے ہر لفظ کا مآ خذ بیان کیا ہے اور اکثر مآ خذ درست درج کیے ہیں البتہ سنسکرت اور ہندی کے الفاظ گڈ مڈ ہو گئے ہیں۔ اس لیے کہ اس کے مآ خذ درج کرتے وقت کوئی حدِ فاصل قائم نہیں کی۔

مختلف المآ خذ اور مختلف المعنی ہم شکل الفاظ میں امتیاز نہیں کیا گیا اور ان کو ایک لفظ تصور کر کے اس کے تحت تمام معانی درج کر دیے گئے ہیں جس سے خلط مبحث اور مغالطہ ہوتا ہے۔

بعض الفاظ کی قدیم اور متروکہ صورتیں بھی درج کر دی گئی ہیں ،مثلاً آٹھ سٹھ،اٹھوتر سو یعنی ایک سو آٹھ۔ اس سے الفاظ کے ارتقاء اور تدریجی مراحل کو جاننے میں بہت مدد ملتی ہے۔

صرف بنیادی الفاظ کو اردو رسم الخط میں درج کیا ہے ۔مرکبات اور محاورات کو رومن رسم الخط میں درج کیا ہے۔اس کی وجہ ضخامت کو ایک حد کے اندر رکھنا معلوم ہوتا ہے۔ بعد میں یہی انداز دوسرے مستشرقین مثلاً فیلن اور پلیٹس نے اپنے لغات کی ترتیب میں اپنایا۔

عربی صفات پر فارسی یائے مصدری کے اضافہ سے جو اسمائے کیفیت بنتے ہیں،ان کی حیثیت عربی فارسی مرکبات کی ہوتی ہے،ان کو بصورت موجودہ عربی تو کسی طرح بھی قرار نہیں دیا جا سکتا ۔مگر مؤلف نے ایسے تمام مرکبات کا اندراج عربی الفاظ کی حیثیت کیا ہے جو درست نہیں۔

اسی طرح فارسی لاحقہ "انہ" کے اضافے سے جو صفات بنتی ہیں،ان کا اندراج فارسی الفاظ یا عربی فارسی مرکبات کی حیثیت سے ہونا چاہیئے تھا،مگر مؤلف نے ان کو عربی ظاہر کا ہے۔"(۱۸)

کیپٹن رابرٹ شیڈون ڈوبی (Robert Sheddon Dobbie)

رابرٹ شیڈون کا انگریزی ہندوستانی لغت ۱۸۴۶ء میں لندن سے شائع ہوا۔ یہ جیبی لغت تھا۔اس طرح کے لغات زیادہ تر دیگر لغات سے ماخوذ ہوتے تھے،

ولیم ییٹیس

۱۷۹۲ء میں انگلستان میں پیدا ہوا۔ وہ تبلیغی کام کے سلسلے میں ۱۸۱۵ء میں برصغیر آیا اور طویل عرصہ بنگال میں گزارا۔ برصغیر قیام کے دوران اس نے سنسکرت، بنگالی، ہندی اور اردو زبانیں سیکھیں۔ اس نے سکول کے بچوں کو پڑھانے کے لیے The Pleasing Instructor کا اردو ترجمہ کیا جو کلکتہ سکول بک سوسائٹی نے ۱۸۳۸ء میں شائع کیا۔اس کی دو اہم تصانیف یہ ہیں:

1: Introduction to Hindustani , Calcutta Baptist Mission press, 1827

2: Hindustani English Dictionary, Calcutta Baptist Mission press, 1847

ڈاکٹر درانی لکھتے ہیں کہ پیش لفظ میں مصنف لکھتا ہے کہ اس نے سنسکرت آمیز الفاظ کو شامل نہیں کیا مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ لغت صرف ٹیٹھ سنسکرت الفاظ سے پاک ہے۔۵۸۴ صفحات پر مبنی یہ لغت اسی سال لندن سے بھی شائع ہوا۔

ناتھے برائس (Nathe Brice)

برائس کی لغت A Romanised Hindustani and English dictionary کا حوالہ ”یورپ میں اُردو“ میں ملتا ہے۔ یہ لغت ۱۸۴۷ء میں کلکتہ سے شائع

ہوئی۔۱۸۸۰ء میں اس کا تیسرا ایڈیشن لازارس (Lazarus) نے نظر ثانی کر کے بنارس سے شائع کیا۔

ہنری گرانٹ

مولوی عبدالحق لغت کبیر کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ گرانٹ نے Anglo Hindostani Vocabulary کے نام سے ہندوستان کے یورپیوں کے لیے لکھی جو ۱۸۵۰ء میں کلکتہ سے شائع ہوئی۔ ۱۸۵۱ء میں مدراس سے ایک ہندوستانی اسکول ڈکشنری (رومن حروف میں)، ۱۸۵۴ء میں کلکتہ سے اور اسی سال مدراس سے ایک ہندوستانی اردو لغت شائع ہوئی۔

جے ایچ سٹاک کیلولر

کیلولر کی لغت ''اورینٹل انٹرپریٹر'' (Oriental Interpreter) لندن سے اسی دور میں شائع ہوئی۔ ڈاکٹر عطش درانی لکھتے ہیں کہ یہ ۳۰۸ صفحات پر مشتمل تھی۔ اس میں رومن رسم الخط میں ہندوستانی الفاظ کی انگریزی تشریح بھی درج ہے۔ لغت کا حصہ ۲۴۳ صفحات پر ختم ہو جاتا ہے۔

سی کے اوگڈن

اوگڈن کی "The Basic Words" بھی تقریباً اسی دور میں شائع ہوئی۔ انگریزی سے اردو یہ لغت ۳۱۸ صفحات پر مشتمل ہے اور اسے آرتھولوجیکل سوسائٹی بمبئی نے شائع کیا۔

ھازل گروو (Hazal Grove)

گرووکی انگریزی ہندوستانی فرہنگ بمبئی سے ۱۸۶۵ء میں شائع ہوئی تھی۔

آنون

۱۸۵۱ء سے ۱۸۹۷ء تک آنون کے چار لغت شائع ہوئے۔ ۱۸۵۱ء میں ''اے ڈکشنری آف انگلش، ہندوستانی اینڈ پرشین'' مدراس سے شائع ہوئی۔ ۱۸۵۴ء میں ''ہندوستانی سکول ڈکشنری'' کلکتہ سے اور اسی سال ''انگلش اینڈ ہندوستانی ووکیبلری'' مدراس سے اور ۱۸۹۷ء میں ''دی سٹوڈنٹس پریکٹیکل ڈکشنری'' الہ آباد سے شائع ہوئی۔

برتراں (Bertrand)

۱۸۵۸ء میں ایک فرانسیسی شخص برتراں نے ایک اردو لغت لکھا جو پیرس سے شائع ہوا۔

کپتان بوراڈیل (Borredaile)

بوراڈیل نے انگریزی ہندوستانی لغت مدراس کے فوجی طلبہ کے لیے لکھی یہ لغت ۲۴۶ صفحات پر مشتمل تھی اور ۱۸۶۸ء میں شائع ہوئی۔

ایچ انڈرس

انڈرس کی ''اردو انگلش ڈکشنری'' بپٹسٹ مشن پریس کلکتہ سے ۱۸۶۹ء میں شائع ہوئی۔

کرنل سر ہنری یول

سر ہنری یول اور اُن کی لغت ہابسن جابسن کے بارے میں ایک تفصیلی اور محققانہ مضمون آغا افتخار حسین کا ہے، جسے مناسب تدوین کے بعد پیش کیا جا رہا ہے:

اردو زبان کی کئی لغات لکھی گئیں لیکن کرنل سر ہنری یول کی ''ہابسن جابسن'' اشتقاق کے نقطۂ نظر سے غالباً اپنی طرز کی پہلی کتاب ہے بلکہ شاید یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ الفاظ کے ماخذ اور معانی کے ارتقا پر جس انداز سے اس کتاب میں مواد جمع کیا گیا ہے اس کی مثال اردو زبان میں مشکل ہی سے ملے گی۔ اس فرہنگ میں اردو (یا ہندی) وغیرہ کے وہ الفاظ شامل ہیں جو انگریزوں اور دوسری مغربی قوموں کے ہندوستان کے ساتھ تجارتی اور سیاسی روابط کی وجہ سے بعض مغربی زبانوں میں داخل ہوگئے ہیں یا مغربی زبانوں اور اردو (یا ہندی) زبانوں میں آ گئے ہیں۔ ۸۷۰ صفحات کی اس فرہنگ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مصنفین نے نہ صرف ان الفاظ کے اشتقاق پر اظہار رائے کیا ہے بلکہ سند کے طور پر مغربی اور مشرقی زبانوں کی تحریروں کے حوالے دیے ہیں اور ان کے ساتھ جو تاریخیں دی گئی ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس تحقیق کے لیے مصنفین نے متعدد زبانوں مثلاً انگریزی، فرانسیسی، پرتگیزی، ولندیزی، یونانی، عربی، فارسی، سنسکرت وغیرہ کی کوئی دو ہزار سال کی تحریروں سے استفادہ کیا ہے۔

یول کے حالات زندگی

یہ کتاب دو مؤلفین کی کاوش کا نتیجہ ہے، کرنل سر ہنری یول اور آرتھر کوک برنل (Arthur Coke Burnell)۔ الفاظ پر بیشتر تحقیق یول ہی کی ہے اور کتاب کا دیباچہ اور مقدمہ بھی اس نے ہی لکھا ہے۔ ہنری یول ۱۸۲۰ء میں اڈنبرا (برطانیہ) کے قریب بمقام انورسیک (Inversek) میں پیدا ہوا۔ اس کے والد میجر ولیم یول (پیدائش ۱۷۶۴ء۔ وفات ۱۸۳۹ء) ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت میں تھے اور مشرقی زبانوں پر اچھی نظر رکھتے تھے اور جب ۱۸۰۹ء میں ریٹائر ہو کر وطن واپس گئے تو کئی عربی اور فارسی مخطوطات اپنے ساتھ لے گئے جو اب برٹش میوزیم میں ہیں۔ انھوں نے ۱۸۳۲ء میں کتاب ''Apophthegms of Ali the son of Abu Talib'' شائع کی جس میں عربی متن، اس کا قدیم فارسی ترجمہ اور خود میجر یول کا کیا ہوا انگریزی ترجمہ شامل ہے۔

ہنری یول نے ابتدائی تعلیم اڈنبرا میں اور اعلیٰ تعلیم کیمبرج میں حاصل کی۔ ریاضی اور انجینئرنگ کی تعلیم مکمل کر کے ہنری یول ۱۸۴۰ء میں بنگال کی انجینئرنگ سروس میں شامل ہوگیا۔ تین سال ملازمت کرنے کے بعد یول مختصر قیام کے لیے انگلستان واپس گیا جہاں اس نے ۱۸۴۹ء تک شمال مغربی سرحدی صوبے کے محکمۂ نہر میں انجینئرنگ کی بیش بہا خدمت انجام دیں۔ اس دوران میں اس نے سکھوں کی لڑائیوں میں حصہ لیا۔ ۱۸۴۹ء سے ۱۸۵۱ء تک یول رخصت پر انگلستان میں رہا۔ اس کے بعد وہ پھر ہندوستان آ گیا اور ۱۸۵۵ء میں گورنر جنرل لارڈ ڈلہوزی نے محکمۂ تعمیرات میں انڈر سیکرٹری کے عہدے پر اس کا تقرر کر دیا۔ کچھ عرصے کے لیے یول ایک سفارتی عہدے پر برما گیا اور وہاں سے آ کر اس نے برما کے بارے میں ایک مقالہ لکھا جو بہت مقبول ہوا۔ ۱۸۶۲ء میں یول ملازمت سے ریٹائر ہوگیا۔

۱۸۶۳ء میں یول نے سسلی کے دارالخلافے پالرمو میں سکونت اختیار کی جہاں اس نے قدیم اطالوی مشنریوں اور سیاحوں کے سفرناموں اور تاریخوں کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔ اسی سال اس نے ''مشرق کے عجائبات'' نامی ایک کتاب شائع کی۔ ۱۸۶۶ء میں یول نے قدیم سیاحوں کے سفرناموں، خطوط اور یادداشتوں پر مشتمل ایک کتاب دو جلدوں میں شائع کی جس میں ایشیا کے بارے میں معلومات کا ایک خزانہ پیش کیا اور زمانۂ قدیم میں چین اور مغربی ممالک کے روابط پر بھی روشنی ڈالی۔ ۱۸۶۶ء میں ہی اس کی فرہنگ ''ہابسن جابسن'' شائع ہوئی جس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۰۳ء میں شائع ہوا۔

۱۸۷۵ء میں یول واپس انگلستان آ گیا اور انڈین کونسل کا رکن مقرر ہوا اور آخر دم تک اس حیثیت سے کام کرتا رہا۔ ۱۸۸۷ء میں اس نے Diary of Sir William Hedges شائع کی جس میں قدیم اور جدید ایسٹ انڈیا کمپنی کے بعض دلچسپ کوائف شامل ہیں۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا اور انگلستان کے متعدد علمی جرائد میں جغرافیہ اور سوانح کے موضوعات پر اس کے تحقیقی مضامین شائع ہوئے۔ ۱۸۸۰ء میں اس نے مشرقی تبت اور برما کے دریاؤں کے بارے میں

نہایت دلچسپ مضمون شائع کیا۔ ۱۸۸۹ء میں یول کو ''سر'' کا خطاب اور ستارۂ ہند کا اعزاز ملا اور اسی سال اس کا انتقال ہو گیا۔

کتاب کا مختصر جائزہ

یہ فرہنگ ان الفاظ اور محاورات وغیرہ پر مشتمل ہے جو ہندوستان میں انگریزوں کی بول چال میں شامل ہو چکے تھے لیکن مصنفین نے محض ان الفاظ اور محاورات کے مطالب اور محل استعمال ہی بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا (جیسے اس قسم کے اکثر لغات اور فرہنگوں میں کیا گیا ہے) بلکہ بیشتر الفاظ پر اشتقاق تاریخ، جغرافیہ وغیرہ کے نقطۂ نظر سے مدلل بحثیں کی گئی ہیں۔ چار صفحوں کا دیباچہ ہے۔ اس دیباچے میں یول نے بتایا ہے کہ اس کتاب کی بنیاد وہ خط و کتابت تھی جو پالرمو (سسلی) کے دوران قیام میں یول اور اس کے ایک مرحوم دوست آرتھر برنل کے درمیان ہوئی۔ برنل اس زمانے میں مدراس کی سول سروس میں عدلیہ کے عہدوں پر فائز تھا۔ برنل نے بتایا تھا کہ وہ ''اینگلو انڈین'' الفاظ کی ایک فرہنگ تیار کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ یول نے اسے مطلع کیا کہ وہ بھی اسی قسم کی فرہنگ تیار کر رہا ہے۔ اس کے بعد ان دونوں میں خط و کتابت شروع ہوئی جو ۱۸۸۲ء میں برنل کی وفات تک جاری رہی۔ اس عرصے میں دونوں دوستوں نے الفاظ کے بارے میں معلومات فراہم کیں۔ معانی و اشتقاق کے بارے میں خیالات کا تبادلہ کیا۔ برنل کے انتقال کے بعد اس فرہنگ کی تدوین کا سلسلہ یول نے تنہا جاری رکھا۔ یول نے لکھا ہے کہ گو اس پوری کتاب کا بیشتر حصہ صرف یول ہی کی کاوش کا نتیجہ ہے لیکن برنل نے جو مواد بھی فراہم کیا وہ نہایت بیش قیمت تھا اور غالباً یول کی دسترس سے باہر تھا۔

کتاب کے عنوان ''ہابسن جابسن'' کے الفاظ ہندوستان میں انگریزوں کی زبان میں داخل ہو چکے تھے، گو اب یہ اتنے عام نہیں ہیں۔ ان الفاظ کو یول کتاب کے عنوان کے لیے بہت موزوں سمجھتا ہے۔ خصوصاً اس لیے بھی کہ ان دو ناموں (حسن، حسین) میں کتاب کے دو مصنفوں (یول اور برنل) کی طرف اشارہ ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ اس کتاب کا اس کے سوا کوئی دوسرا نام نہیں ہو سکتا۔

اس کے بعد فہرست مضامین ہے اور پھر مقدمہ شروع ہوتا ہے جو دس صفحوں میں ہے۔ اس میں یول پہلے ہندوستانی الاصل الفاظ کے انگریزی زبان میں داخل ہو جانے کی مختصر تاریخ بیان کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ ملکۂ الزبتھ اول اور شاہ جیمز کے زمانے سے یہ الفاظ انگریزی زبان میں داخل ہونا شروع ہو گئے تھے۔ انگریزی زبان میں ہندوستانی الفاظ کی آورد کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس کے بعد یول نے ان الفاظ کی مثالیں دی ہیں جو مختلف مدارج میں انگریزی زبان میں داخل ہوتے گئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزی زبان میں بعض الفاظ ایسے آ گئے ہیں جن کے بارے میں یہ گمان بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ان کی اصل ہندوستانی ہے۔ مثلاً انگریز یہ جملہ اکثر بولتے ہیں ''I don't care a dam''۔ اس جملے میں dam دراصل اکبر کے زمانے کا سکہ 'دام' ہے۔ یول فرہنگ میں 'آئینِ اکبری' کے حوالے سے لکھتا ہے کہ 'دام' ایک تولہ، ۸ ماشہ، ۷ سرخ وزن کا تھا اور ایک روپے کا چالیسواں حصہ شمار کیا جاتا تھا۔

یول لکھتا ہے کہ فرہنگ میں انتظامیہ سے متعلق اچھی تعداد میں الفاظ موجود ہیں۔ ایسے ہی بہت سے ایسے الفاظ ہیں جن کا تعلق نباتات اور حیوانات سے ہے اور یہ الفاظ ہندوستان سے مغربی زبانوں میں آ گئے ہیں۔ یول نے ان مغربی ماہرین کا ذکر کیا ہے جنھوں نے ان ہندوستانی الفاظ کو سائنسی کتابوں میں استعمال کیا ہے۔ یول نے ایسے الفاظ کی مثالیں بھی دی ہیں جو ہندوستان سے یونان اور روما اور ان تہذیبوں سے متاثر علاقوں میں مروج ہو گئے اور اس طرح ہندوستان کے تہذیبی اثرات یورپ میں دور تک محسوس کیے جا سکتے ہیں۔

عرب فاتحین اور تجار بہت سے الفاظ باہر سے ہندوستان میں لائے لیکن اسی کے ساتھ بہت سے ہندوستانی الفاظ ایسے ہیں جو عربوں کے بعد کے مغربی فاتحین کو تہذیبی ورثے کے طور پر ملے۔ ایسے الفاظ جو بحیرۂ روم کے ساحلی علاقوں اور متصل ممالک میں مروج ہیں مثلاً: 'بازار'، 'قاضی'، 'حمال'، 'دیوان' وغیرہ۔

سولھویں صدی میں جب پرتگیز ہندوستان کے جنوبی ساحل کے مختلف حصوں پر قابض ہوئے تو ان کی نو آبادیوں کے نتیجے میں ایک ایسی زبان پیدا ہوئی جس میں پرتگیزی اور جنوبی ہند کی زبانوں کی آمیزش تھی۔ یہ زبان عرصے تک ان علاقوں میں آسانی سے سمجھی جاتی تھی اور دیگر مغربی فاتحین نے بھی اس زبان وک جنوبی ہندوستان میں استعمال کیا۔ اس زبان کے پیدا ہونے سے بھی کئی الفاظ ہندوستان سے مغرب کو برآمد ہوئے۔ یول نے ان الفاظ کی جو مثالیں دی ہیں، ان میں Palanquin, Curry, Mango, Typhon, Monsoon, شامل ہیں۔ یول نے فرہنگ میں ان الفاظ کو ہندوستانی (فارسی، عربی، جنوبی ہندو کی زبانیں وغیرہ) سے مشتق ثابت کیا ہے۔ اسی طرح یول نے ان الفاظ کی مثالیں بھی دی ہیں جو پرتگیزی زبان سے اردو ہندوستانی میں آئے مثلاً بالٹی، تولیہ، صابن، نیلام وغیرہ۔

مقدمے کے بعد کتاب میں بائیس فرہنگوں کی ایک فہرست دی گئی ہے جن میں عام لغات بھی شامل ہیں اور خصوصی استعمال اور فنی اصطلاحات کی فرہنگیں بھی۔

فرہنگوں کی فہرست کے بعد ہند، پرتگیزی زبان کے بارے میں ایک نوٹ ہے جس میں اس کے قواعد اور صوتیات کے بارے میں اظہار خیال کیا گیا ہے۔

اس کے بعد ان کتابوں کی فہرست ہے جن کے حوالے فرہنگ کے متن میں دیے گئے ہیں۔ ان کتابوں کی تعداد سات سو دس (۷۱۰) ہے۔ ان میں انگریزی، فارسی، عربی، سنسکرت، فرانسیسی، جرمن، پرتگیزی، ولندیزی اور متعدد دیگر زبانوں کی کتابیں اور رسائل شامل ہیں۔ اس فہرست کو دیکھ کر دو وجوہ سے خاص طور پر حیرت ہوتی ہے؛ ایک تو یہ کہ ہندوستان اور اس کی زبان کے بارے میں دنیا کی اتنی زبانوں میں مواد موجود ہے، اور دوسرے یہ کہ اس ایک کتاب کی تیاری میں مصنف نے سات سو سے زیادہ کتب کا مطالعہ کیا ہے۔

اس فہرست کے بعد ایک غلط نامہ ہے اور اس کے بعد اصل فرہنگ کا متن شروع ہوتا ہے۔

ہر لفظ کے جدید معنی (کتاب ۱۸۸۶ء میں شائع ہوئی) اس کا اشتقاق اور معانی کا ارتقا بیان کیا گیا

ہے اور اس کے بعد حوالوں اور سند کے طور پر ان کتابوں اور تحریروں میں سے اقتباسات دیے گئے ہیں جن میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے اور ہر اقتباس کے ساتھ کتاب کا نام اور اس کا سال اشاعت درج ہے۔ چند مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

پشاور: (**Peshawur**) شہر کا محل وقوع بیان کرنے کے بعد یول لکھتا ہے کہ اس شہر کا اصل نام بہت قدیم ہے۔ سر جارج کننگم (کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے) نے لکھا ہے کہ اکبر نے اس شہر کا نام سرحدی شہر ہونے کی وجہ سے 'پشاور' رکھا تھا۔ یول کہتا ہے کہ کننگم کا خیال درست نہیں؛ اکبر کے زمانے میں پشاور صوبہ کابل میں ایک درمیانی شہر تھا۔ 'صوبۂ کابل' میں کشمیر اور مغرب کا سب علاقہ شامل تھا اس لیے اکبر کے زمانے میں پشاور سرحدی شہر نہیں ہو سکتا تھا۔ اس شہر کا ذکر سب سے پہلے فاہیان کے ہاں ملتا ہے جس نے اسے 'فلاشا' (Fo-Lau-sha) لکھا ہے۔ فاہیان سے اقتباس حسب ذیل ہے:

۴۴۰ء: گندھارا سے جنوب کی طرف چار روز کا سفر کرنے کے بعد 'فلاشا' کا علاقہ آتا ہے۔ قدیم زمانے میں بدھا اپنے چیلوں کے ساتھ اس علاقے سے گزرا تھا۔ (فاہیان)

اس کے بعد حسب ذیل مصنفین سے اقتباسات دیے گئے ہیں:

۶۳۰ء: ہیون سانگ، اس نے شہر کا محل وقوع بیان کرتے ہوئے اس کا نام 'Pu-lu-sha-pulo' یا (پرش پور) لکھا ہے۔

۱۰۰۱ء: الاطبی۔ محمود غزنوی کی آمد کے بارے میں لکھا ہے کہ اس نے اپنے خیمے 'Purshaur' کے باہر نصب کیے

۱۰۲۰ء: البیرونی۔ 'Parshawar' کا ذکر ہے۔

۱۲۲۰ء: یاقوت۔ 'Farshabur' لکھا ہے۔

۱۵۱۹ء: بابر۔ 'Purshawar' کے قلعے کا حوالہ دیا گیا ہے۔

۱۵۱۵ء: سدی علی۔ 'Purrhawar' میں آنے کا ذکر ہے۔

۱۵۹۰ء: آئین اکبری۔'Parshawar' کے چشمے کا ذکر ہے۔

۱۷۸۳ء: جی۔فاسٹر۔'Peshour' میں سخت گرمی کا حال بیان کیا ہے۔

۱۸۶۳ء: کننگم۔اکبر کے قدیم نام 'Parashawar' کو تبدیل کر کے 'Peshawar' نام رکھ دیا۔اس کے معنی سرحدی شہر کے ہیں۔

اس کے بعد ان الفاظ کی فہرست ہے جو فرہنگ کے متن میں شامل نہ ہو سکے اور انھیں ضمیمے میں شامل کر دیا گیا ہے۔

جم خانہ (Gym Khana): یول لکھتا ہے کہ یہ لفظ نیا ہے۔پچیس سال پہلے (یعنی ۱۸۵۱ء) تک مستعمل نہیں تھا۔سب سے پہلے یہ لفظ میجر جان ٹراٹر کے بیان کے مطابق ۱۸۶۱ء میں رڑکی میں استعمال ہوا جہاں ایک جمخانہ قائم کیا گیا۔غالباً یہ لفظ 'گیند خانہ' کی بدلی ہوئی شکل ہے۔یہ لفظ ایسے مقامات کے لیے استعمال ہوتا ہے جہاں کھیل وغیرہ کی سہولتیں میسر ہوں۔ممکن ہے 'gym' اصل میں لفظ 'gymnastics' کے پہلے حصے سے مستعار ہو۔یہ لفظ مالٹا تک پہنچ چکا ہے۔اس کے اقتباسات حسب ذیل ہیں:

۱۸۷۷ء: 'پائنیر میل' (شمارہ ۳نومبر) میں 'جمخانہ کلب' کا لفظ مرقوم ہے۔

۱۸۷۹ء: ڈوڈو (۲ جولائی) میں جمخانہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ وہاں لوگ بہت سی حرکتیں کرتے ہیں لیکن کھانا نہیں کھاتے۔

۱۸۸۱ء: رائل انجینئر جرنل (یکم اگست) میں مالٹا میں جمخانہ کا ذکر ہے۔

۱۸۸۳ء: 'Tribes on my Fronteer' میں بمبئی کے جمخانوں کا حوالہ ہے۔

پنکھا (Punkha):

اس لفظ پر روشنی ڈالتے ہوئے یول نے دستی پنکھوں اور چھت سے لٹکے ہوئے پنکھوں کا ذکر کیا ہے جو ہندوستان میں استعمال ہوتے ہیں۔اس نے جو اقتباسات درج کیے ہیں وہ ۱۱۵۰ء، ۱۱۶۶ء، ۱۳۰۰ء، ۱۵۹۶ء، ۱۵۹۸ء، ۱۶۰۱ء، ۱۶۶۳ء، ۱۷۸۷ء، ۱۸۹۷ء، ۱۸۰۹ء، ۱۸۱۰ء، ۱۸۲۳ء

اور ۱۸۵۲ء کی تحریروں سے لیے گئے ہیں۔قدیم ترین حوالہ فرانسیسی زبان میں مشہور مؤرخ اور محقق دوزی کے لغت سے ہے جس میں ہسپانوی اور پرتگیزی زبانوں کے ان الفاظ کا بیان ہے جو عربی سے لیے گئے ہیں۔اس کتاب میں ایک تحریر کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ 'خیش' ایک قسم کا پنکھا تھا جو ہوا جھلنے کے کام بھی آتا تھا اور بعض اوقات اس پر خوشبو کا پانی ڈال کر کمرے کو معطر کیا جاتا تھا۔اس کے بعد الغمزی کے حوالے سے لکھا ہے کہ 'خیش' خلیفہ منصور (۸۵۳ء۔۷۷۴ء) کی ایجاد ہے۔

پنجاب (Punjab): پنجاب کا محل وقوع بیان کرنے کے بعد فرہنگ میں پنجاب کے دریاؤں کے قدیم نام سنسکرت اور یونانی زبانوں میں دیے گئے ہیں اور ان کے موجودہ ناموں کے اشتقاق پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔اس کے بعد لفظ 'پنجاب' کے بارے میں حسب ذیل اقتباسات پیش کیے گئے ہیں:

قبل مسیح: رامائن میں 'پنجند' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

۹۴۰ء: مسعودی نے پانچ دریاؤں کی سرزمین کا ذکر کیا ہے۔

۱۰۲۰ء: البیرونی نے بھی 'پنجند' کا لفظ استعمال کیا ہے۔

۱۳۰۰ء: وصاف نے 'پنجاب' لکھا ہے۔

۱۳۳۳ء: ابن بطوطہ نے 'پنجاب' کا ذکر کیا ہے۔

۱۴۰۰ء: تیمور نے 'پنجاب' لکھا ہے۔

۱۶۴۸ء: وان ٹوسٹ نے 'پنگاب' کا ذکر کیا ہے۔

۱۷۱۰ء: ولنٹجن (Valentjin) نے لاہور کا ذکر کرتے ہوئے 'پنجاب' کا ذکر کیا ہے۔

اس کے بعد فاسٹر (۱۷۹۰ء)، رینل (۱۷۹۳ء)، ولنگٹن (۱۸۰۴ء) اور مالکم (۱۸۱۵ء) سے اقتباسات پیش کیے گئے ہیں۔(۱۹)

لغت کا نام ہابسن جابسن (یا حسن یا حسین) رکھنے کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ یول کو حضرت

امام حسن اور حضرت امام حسین سے عقیدت ہوگئی ہو کیونکہ یول کے والد نے بھی حضرت علیؓ پر کام کیا تھا۔

ڈاکٹر فیلن

فیلن نے New Hindustani English Dictionary ۱۸۷۲ء میں تیار کیا۔ تاریخی لحاظ سے یہ لغت نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ اس میں چند ایسی خوبیاں ہیں جو اس سے پہلے والی لغات میں نہیں تھیں۔ اس لغت نے آنے والی لغات پر بہت اثر ڈالا۔ اس میں ذخیرۂ الفاظ بھی زیادہ ہے اور الفاظ مختلف طبقات سے لیے گئے ہیں۔ نیز عورتوں کی بول چال کے الفاظ بھی شامل کیے گئے ہیں۔ الفاظ کے معنی بیان کرنے میں بہت احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر ایس کے حسینی لغت سے ایک مثال پیش کرتے ہیں:

"ابا۔۔Abba (n) (m) (z) ابو اب۔بابا (Bap (Old p.) (Z+H)

[(n)=اسم (n)= مذکر (Z) ژند (old P)= فارسی قدیم (h) ہندی]

Papa- Father- Baba- Bapu- Bava (H)

آبرو آب Brightress+رو۔face۔عزت، کردار، مؤقف

آبرو جگ میں تو جان جائے پشم ہے
آبرو دنیا میں یارو موتی کی سی آب ہے

یہی ہمارے گھر کی آبرو ہے۔ آبرو اتارنا، آبرو بگاڑنا، یا بگاڑ لینا، آبرو خاک میں ملانا، آبرو پیدا کرنا، آبرو پانا، آبرو دینا، آبرو رکھنا، آبرو کا لاگو ہونا، آبرو کے پیچھے پڑنا، آبرو میں بٹا لگنا، آبرو وہیں فرق آنا۔ اس طرح وہ لفظ کے ماخذ، لفظ کے مرکبات، لفظ سے متعلق محاورات وغیرہ قلم بند کرتا ہے، لفظ کے استعمال کے متعلق بھی اشعار اور جملوں سے سند پیش کرتا ہے اور لفظ کی گرامر بھی اس لغت میں ملتی

ہے۔"(۲۰)

ڈبلیو ایس فیلن نے لغت کے دیباچے میں لکھا ہے۔

"The chief features of the present work are the prominence given to the spoken and rustic mother-tongue of the Hindi speaking people of India; the exhibition, for the first time, of the pure, unadulterated language of women; and the illustrations given of the use of words by means of examples selected from the everyday speech of the people, and from their poetry, songs, and proverbs, and other folklore"(21)

جب یہ کتاب مرتب ہوئی۔ انھوں نے جو مثالیں ادبی کتابوں اور روزمرہ بول چال سے شامل کرنے کا ارادہ کیا تھا وہ پورا نہ ہوسکا کیونکہ وہ دوسری ڈکشنری "انگریزی سے ہندوستانی" لکھنے میں مصروف ہوگئے اور اس ارادے کو ترک کرنا پڑا۔

مولوی عبدالحق لغت کبیر کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ لغت کی ان سب کتابوں پر فیلن اور پلیٹس کی لغات سبقت لے گئی ہیں۔ فیلن نے یہ خاص اہتمام کیا ہے کہ الفاظ اور محاورات کے استعمال کی سند میں عوام کے گیت، ضرب الامثال اور فقرے اور اساتذہ کے اشعار نقل کیے ہیں۔ لیکن اردو کے ادبی الفاظ کی طرف سے بے اعتنائی برتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ عربی فارسی لفظ جو اردو زبان و ادب میں عام طور پر مروج ہیں بہت کم پائے جاتے ہیں۔ ادبی الفاظ خاص اہمیت رکھتے ہیں اور کوئی لغت ان سے بے نیاز نہیں ہوسکتی۔

فیلن نے ڈکشنری میں الفاظ کے معانی لکھنے کے علاوہ اس بات پر خصوصی توجہ کی ہے کہ ہندوستان کے لوگوں کی روزمرہ بول چال کے الفاظ ان کے مآخذ اور محل استعمال تفصیل کے ساتھ درج ہوں۔ عربی، فارسی اور سنسکرت کے الفاظ استعمال کرنے والوں نے عوام کی زبان کو مشکل بنا دیا تھا۔ فیلن نے اپنی ڈکشنری میں عوام و خواص سب کی بول چال میں سے چیدہ چیدہ الفاظ،

محاورے اور ضرب الامثال لے کر ''ہندوستانی'' زبان میں پیش کیا ہے۔
ڈاکٹر رضیہ سلطانہ لغت سے چند مثالیں پیش کرتی ہیں:

English	**Hindustani**	**Arabic**	**Sanskrit**
Right Angle	Khara Kone (Standing angle)	Zawia-i-Qaimah	sam kona
Parallel Lines	Bich Braber lakir (Equidistant lines)	Khutut-i-mutawazi	Seman antar rokha
Diagonal (۲۲)	Adh Kat (half Cutter)	Qutr	Bhuj Karan

فیلن اپنے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ اس نے اس بات کا بغور مشاہدہ کیا کہ اردو زبان مختلف صوبوں میں یا ایک ہی صوبے کے مختلف حصوں میں فرق فرق سے بولی جاتی ہے۔ کہیں تلفظ کا فرق ہے تو کہیں تلفظ اور معانی دونوں کا۔ فیلن نے ان پڑھ لوگوں کی زبان کو زیادہ صحیح یا حقیقت کے قریب قرار دیا ہے۔ لکھتا ہے۔

"Indeed the rustic language must needs be the more true to nature, and therefore, more vivid and expressive, because it is the expression of what an unlettered people have

repeatedly themselves seen and felt."(23)

اس طرح تقریباً ہر لفظ کے آٹھ آٹھ دس دس معانی بیان کیے ہیں۔ ہر لفظ کا مطلب بیان کرنے کے ساتھ ان سے متعلقہ محاوروں یا اشعار کو بھی درج کیا ہے۔

لغت کے ۱۲۱۶ صفحات ہیں اور آخیر میں ۹ صفحات پر مشتمل اغلاط نامہ بھی دیا گیا ہے۔

فیلن کی ایک اور اہم کتاب ''لاء اینڈ کمرشل ڈکشنری'' ہے۔ اس میں ہندوستانی زبان اور اس سے پیشتر جو لغات لکھی گئی تھیں ان کے بارے میں تنقید و تبصرہ ہے۔ ڈکشنری تجارتی، عدالتی اور قانونی معاملات میں بہت مفید و مددگار ثابت ہوئی۔ فیلن کا شمار یقیناً اُردو کے محسن مستشرقین میں ہوتا ہے۔

پلیٹس

جان ٹی پلیٹس کی "A Dictionary of Urdu, Classical Hindi and English" ۱۸۸۴ء میں شائع ہوئی۔ اسے سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، نے بھی ۱۹۸۳ء میں شائع کیا۔ اس کا ایک ۱۹۱۱ء کا نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری اور ایک ۱۸۸۴ء کا نسخہ کتب خانہ مجلس زبان دفتری پنجاب میں موجود ہے۔ پلیٹس نے شیکسپیئر کی لغت سے استفادہ کیا ہے۔ اس میں فیلن کی لغت کی اکثر خوبیاں مثلاً الفاظ کا انتخاب، معانی اور گرامر پر توجہ، وغیرہ مل جاتی ہیں۔ اس لغت میں اردو الفاظ فارسی، ناگری اور رومن رسم الخط میں ہیں۔ کئی الفاظ کا بھی ذخیرہ ملتا ہے اور اس کو آج بھی کارآمد سمجھا جاتا ہے۔ مقتدرہ قومی زبان کا سلسلہ ''کتبِ لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ'' جلد اول کے تحت جابر علی سیّد نے اس لغت کا جائزہ لیا ہے۔ ذیل میں اسی جائزے کا ابتدائی حصہ تدوین کے بعد پیش کیا جا رہا ہے:

Malts کی مبسوط اردو ہندی انگریزی لغات ۱۸۸۴ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے شائع ہوئی اس کے بعد کئی بار چھپی ہے۔

پلیٹس کی لغات فیلن کی کتاب کے مقابلے میں بہت زیادہ ضخیم اور وسیع ہے۔ اس نے اردو کے ساتھ ٹھیٹھ ہندی کے لفظ بھی لکھے ہیں اس کے علاوہ فارسی، عربی سنسکرت کے الفاظ کا بھی بہت کافی ذخیرہ ہے جن میں سے اکثر اردو زبان میں مروج ہیں۔ الفاظ کے معنوں میں زیادہ تفصیل اور وسعت پائی جاتی ہے اور اکثر الفاظ کے مآخذ اور اصل کا بھی اشارہ کیا ہے لیکن معنی اور استعمال کے لیے سند نہیں دی۔۔۔'' پلیٹس نے فارسی عربی الفاظ کو ناگری رسم الخط میں نہیں لکھا بلکہ صرف ہندی سنسکرت اور پراکرت الفاظ کو ناگری میں درج کیا ہے فارسی عربی الفاظ کو البتہ رومن حروف میں لکھا ہے لیکن ہندی الفاظ کو رومن اور ناگری دونوں رسم الخطوں میں درج کیا ہے اور یہ اضافی خوبی ہے۔

پلیٹس اور یائے مجہول: یہ امر اچنبھے کا ہے کہ ۱۸۸۴ء میں کوئی مصنف خصوصاً کوئی فرہنگ نویس یائے مجہول کی بجائے یائے معروف لکھے اور معنوی امتیازات کو مخدوش کرے۔ اول تو یہ انتہا درجے کی تقلید پرستی ہے کہ سو سال پہلے کی لکھی ہوئی فرہنگوں میں جب کہ یائے مجہول لکھنے کا رواج نہ تھا، گلکرائسٹ فرگوسن وغیرہ اور عہدِ پلیٹس و مینن میں اعراب کا کچھ فرق اور ارتقا نظر نہ آئے اور کلکتہ والوں کی لکیر کو پیٹتے چلے جایئے۔ دوم یہ کہ اس اعرابی نظام سے جو معنوی خرابیاں پیدا ہوئی ہیں ان کا بھی کچھ خیال لہ کیا جائے۔ فارسی بارے کو باری لکھا جائے اور اس بات سے صرفِ نظر کر لیا جائے کہ متوسط درجے کا طالب علم اس کے معنی عربی کے باری اور فارسی کے باری سے مغشوش کر سکتا ہے۔۔۔ پلیٹس کا یہ فرسودہ اعرابی نظام اس کے چہرے پر بدنما داغ ہے۔ فرسودگی اور قدامت میں فرق ہے۔ ابھی جس اعرابی اعجوبے پن کو دکھایا گیا ہے وہ فرسودگی کی علامت ہے۔ قدامت یہ ہے کہ روایت اور ماضی کے رجحانات کا سراغ اس سے بہتر کسی اور صورت میں نہیں مل سکتا۔ رفتار زمانہ کے ساتھ بعض محاورات بدل سے جاتے ہیں جب ہمیں فرہنگوں میں ان محاورات کی جگہ ان کی پرانی صورتیں ملتی ہیں تو ایک خوشگوار اچنبھا ہوتا ہے۔ پلیٹس میں ایک محاورہ مندرج ہے تحت لفظ مردنی۔

۱۔ مردنی پھرنا جس کی جدید صورت مردنی چھا جانا ہے۔

۲۔ مردنی بمعنی تغزیت۔ محاورہ مردنی پہ جانا۔

پلیٹس کے بعض لفظوں کا ڈاکٹر شوکت سبزواری نے اشتقاقیات کے تحت تخطیہ بھی کیا ہے ان میں لفظ تنکہ ہے۔ ملاحظہ ہو اشتقاقیات مجلد اردو نامہ، کراچی اکتوبر ۱۹۶۳ء۔ لفظ بھنڈ پیرا جو پلیٹس کی فرہنگ کی بجائے اس کی گرامر میں ہے (اسم۔ فاعل ہندی کی بحث) اسے شوکت سبزواری نے سؤر کے قدموں والا بمعنی منحوس قرار دیا ہے جبکہ پلیٹس کے نزدیک یہ بھونڈا کا مخفف ہے۔۔۔

پلیٹس کے محاسن بہت ہیں سب سے بڑی خوبی اس میں ہندی پراکرت اور سنسکرت کے الفاظ کا اندراج ہے جو اردو لسانیات، تقابلی اردو صوتیات اور ہندی ادبیات سے معقول واقفیت کا ذریعہ ہے۔۔۔

زبان کو ترقی دینے والے لوگ جن میں شعراء اور دبیر (نثر نگار) سر فہرست ہیں اور بگاڑنے والوں میں بھی یہی لوگ ہیں ایک ایک لفظ کے معانی میں تعدد کے شائق تر نظر آتے ہیں یہ حضرات یا عربی الفاظ کے سلسلے میں مادہ سے نکلنے والے مختلف ابواب و مشتقات میں نہ صرف مغائرت کی نشان دہی کرتے ہیں بلکہ بعض مخصوص دباؤ کے تحت ان میں ہم معنویت کا رشتہ بھی پیدا کر دیتے ہیں۔۔۔

پلیٹس بھی اس کمزوری یا تعدد معانی و تعدیل الفاظ کا شکار ہے اس نے تجرد اور تجرید دونوں کے معنی celibacy بنائے ہیں (عدم تاہل) فرہنگ آصفیہ میں بھی اگرچہ دونوں کے معنی تنہائی، علیحدگی بتائے ہیں لیکن عدمِ تاہل یا کنوارا رہنا کے معنی نہیں بتائے اور اپنی حدود کے اندر رکھا گیا ہے۔ تجرد پسند کو تجرید پسند کہنا اتنا ہی غلط ہے جتنا کسی تجرید پسند (مصور یا شاعر) کو تجرد پسند قرار دینا۔ پھر چونکہ تعددِ معانی میں بڑی کشش ہے اس لیے شعراء کے پیدا کردہ متعدد معانی کو بلا توقف تسلیم کر کے داخل لغت کر لیا جاتا ہے۔ فارسی کا لفظ داغ بمعنی سبزہ زار ہے لیکن اس کے معنی

داسن۔ کوہ بھی قرار دینا وہی شاعرانہ وسعت معانی یا غلط تعبیر معنوی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی ایک لفظ کے صرف ایک معنی بتانے میں فرہنگ نگار کی سبکی ہوتی ہے وہ کم از کم دو تین معنی تو بتائے تا کہ اس کی لیاقت ظاہر ہو۔۔۔

پلیٹس نے اپنی فرہنگ کے دیباچے میں ڈاکٹر فیلن کے رد کردہ ادبی علمی الفاظ کی حمایت کی ہے اور بظاہر ان کو شامل بھی کر لیا ہوگا لیکن ان الفاظ کا پتہ نہیں چلتا کہ کیا تھے مولوی عبدالحق صاحب نے بھی اپنے مقدمہ، میں اس بات کا نوٹس لیا ہے اور پلیٹس ہی کی طرح فیلن کے اس وطیرے کو ناپسند کیا ہے کہ ادبی الفاظ علماء و منشیانِ سجع پسند کے دوراز کار اور عام زبان کے فنڈ سے دور اور غیر متجانس اصطلاحات سے عبارت ہیں۔ اس لیے ان کو شامل کرنا زبان کی مشکلات میں اضافہ کرنا ہے خود مولوی عبدالحق صاحب نے ایسے الفاظ کا ذکر نہیں کیا۔ قیاس غالب یہ ہے کہ وہ علوم شعری (عروض، بیان، بدیع قافیہ وغیرہ) ہوں گے کیونکہ یہی خالص ادبی تنقیدی الفاظ ہیں جو علماء لسان و ادب کے نزدیک ایک ترقی یافتہ زبان کی نشانی ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر فیلن کا تصور لسانی محاورات ضرب الامثال چیستانوں اور نسائی لغات تک محدود معلوم ہوتا ہے۔ وہ زبان کے ظرفِ ادب ہونے کے تصور کو نہیں سمجھتے اور صرف عوامی فنڈ کو روح لسان خیال کرتے ہیں۔ پلیٹس کا احتجاج بجا ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہیں بھی زبان کے ادبی اور علمی حصہ سے کچھ زیادہ شغف نہیں معلوم ہوتا کیونکہ ان الفاظ و اصطلاحاتِ ادبیہ کا مطلب سمجھانے میں ناکام نظر آئے ہیں۔۔۔'' (۲۴)

پاؤلو ماریا ھارمن (Paulo aria Hormen)

ھارمن کی چہار زبانی پرتگالی، کوکی، انگریزی، ہندوستانی لغت بمبئی سے ۱۸۷۴ء میں شائع ہوئی۔

فرینکو دیونکل

گارساں دتاسی کے زیرِ ہدایت فرینکو دیونکل نے ''ہندوستانی فرانسیسی اور فرانسیسی ہندوستانی لغت''

شائع کی۔ یہ صرف ۳۲ صفحات پر مشتمل تھا اور دیباچہ گارساں دتاسی کا ہے۔

مولوی عبدالحق لغت کبیر کے دیباچے میں چند مزید لغت نویسوں کے بارے میں مختصر معلومات فراہم کرتے ہیں۔ ان کی حیثیت محض تاریخی ہے۔

بلوم ہارٹ (Blumharat)

اس نے امہری (حبشہ کی سرکاری زبان) اردو انگریزی لغت اس فوج کے لیے لکھی جو حبشہ جا رہ تھی۔ یہ ۱۸۶۷ء میں سیرام پور سے طبع ہوئی۔

جے ڈبلیو فریل (J.W. Furrel)

فریل نے روزمرہ زندگی میں استعمال ہونے والے ہندوستانی مترادفات کی فرہنگ مرتب کی۔ الفاظ معنی کے فرق، تشریح اور مثالوں کے ساتھ لکھے ہیں۔ یہ ۱۸۷۳ء میں کلکتہ سے شائع ہوئی۔

ایچ بلوک مین (H. Blochman)

بلوک مین نے انگریزی اردو لغت لکھی جو رومن رسم الخط میں ہے۔ کئی مرتبہ چھپی۔ آٹھویں مرتبہ کلکتہ سے ۱۸۷۷ء میں شائع ہوئی۔

ڈی ایف ایکس ڈائس (Dais)

ڈائس نے انگریزی، پرتگالی، گووی، مرہٹی، ہندوستانی کی ایک فرہنگ مرتب کی جو ستارا سے ۱۸۷۹ء میں شائع ہوئی۔ اس فرہنگ سے پتہ چلتا ہے کہ کتنے پرتگالی لفظ اردو میں اور کتنے اردو کے لفظ پرتگالی میں جا پہنچے ہیں۔

ریورنڈ ہو پر (Rev. Hooper)

ہو پر کی عبرانی اردو لغت ۱۸۸۰ء میں لاہور سے شائع ہوئی۔ اس کے اخراجات حکومت ہند نے ادا کیے تھے۔ اس کی ترتیب الفاظ کے ماڈوں سے کی گئی ہے۔

ڈبلیو کی گن (W. Keegan)

کی گن کی اردو لاطینی انگریزی فرہنگ سردھنے سے ۱۸۸۳ء میں شائع ہوئی۔

ریورنڈ کریون (Rev. Craven)

کریون کی انگریزی اردو رائل سکول ڈکشنری لکھنؤ سے ۱۸۸۱ء میں شائع ہوئی۔ یہ رومن رسم الخط میں تھی۔ اس کی جم انگریزی ہندوستانی ڈکشنری اسی سال لکھنؤ سے چھپی۔ اس کی پاپولر انگریزی ہندوستانی اور ہندوستانی انگریزی لغت ۱۸۸۸ء میں لکھنؤ اور لندن سے شائع ہوئی۔ بعد میں پی۔ ایچ بیڈلے نے اسے نظرِ ثانی اور اضافے کے بعد لکھنؤ سے ۱۸۸۹ء میں شائع کیا۔ ریون کی ایک اور لغت رائل ڈکشنری (انگریزی ہندوستانی) ۱۸۹۵ء میں شائع ہوئی۔

ریورنڈ ایونگ (Reverend Eiving)

ایونگ نے یونانی اردو لغت مرتب کی جو لدھیانے سے ۱۸۸۷ء میں شائع ہوئی۔

کرنل فلپس (Philips)

ہندوستانی محاورات اور الفاظ پر مبنی یہ لغت لندن سے ۱۸۹۲ء میں شائع ہوئی۔

ڈبلیو۔ ایل۔ تھابرن (W.L. Thoburn)

تھابرن کی انگریزی اردو لغت ۱۸۹۸ء میں لکھنؤ سے شائع ہوئی۔

پولاک (Plllock)

پولاک کی پاکٹ ہندوستانی لغت کلکتہ سے ۱۹۰۰ء میں شائع ہوئی۔

چپ مین

چپ مین نے "English Hindustani Pocket vocabulary" مرتب کی جو رومن رسم الخط میں تھی۔ یہ یارک ٹاؤن میں ۱۹۰۴ء میں اور لندن میں ۱۹۰۸ء میں شائع ہوئی۔ یہ بہت مختصر لغت ہے۔

جی۔ این۔ رینکنگ (G. N. Ranking)

رینکنگ نے انگریزی ہندوستانی لغت لکھی جو ۱۹۰۵ء میں کلکتہ سے شائع ہوئی۔ ڈاکٹر آغا افتخار حسین اس کے بارے میں کچھ تفصیل بتاتے ہیں:

''[رینکنگ] ۱۸۵۲ء میں پیدا ہوا۔ ۱۸۷۵ء میں پہلے بمبئی اور پھر کلکتہ آیا اور فوج میں میڈیکل آفیسر مقرر ہوا اور زبان سیکھی۔ ۱۸۷۹ء میں بوجہ خرابیٔ صحت انگلستان گیا اور وہاں کیمبرج یونیورسٹی ایم اے کیا۔ اس کے بعد ہندوستان آیا اور عربی، فارسی، اردو اور ہندی کے امتحانات امتیاز کے ساتھ پاس کیے۔ ۱۸۷۵ء میں فورٹ ولیم کالج میں بورڈ آف اگزامنز کے تحت ملازم ہوا اور ۱۹۰۵ء میں انگلستان چلا گیا اور

وہاں آکسفرڈ یونیورسٹی میں اُردو کا پروفیسر مقرر رہا۔۱۹۳۰ء میں پھر ہندوستان آیا اور کلکتہ یونیورسٹی میں تاریخ، فارسی ادب اور ایرانی فلاسفی کا لیکچرار مقرر رہا۔

رینکنگ کی حسب ذیل تصنیفات کا پتا لگ سکا ہے:

ہدایت الحکمتہ ۔ کلکتہ۔ تھاکر اینڈ سپنک کمپنی۔ ب پٹسٹ مشن پریس۔ ۱۸۷۸ء۔ یہ کتاب ہندوستانی میڈیکل افسران کے لیے ہے۔

تعلیم اردو زبان ۔کلکتہ۔تھاکر اینڈ سپنک کمپنی ۔کلکتہ سنٹرل پریس ۱۸۸۹ء۔

آسان اُردو پاکٹ بک ۔کلکتہ۔تھاکر اینڈ سپنک کمپنی۔۱۸۹۵ء

اُردو پروز کمپوزیشن ۔کلکتہ۔تھاکر اینڈ سپنک کمپنی۔۱۸۹۶ء

انگریزی اُردو لغت ۔کلکتہ۔تھاکر اینڈ سپنک کمپنی۔۱۹۰۵ء'' (۲۵)

حواشی وحوالہ جات

(۱) مسعود ہاشمی، ڈاکٹر، اردو لغت نویسی کا تنقیدی جائزہ، ترقی اردو بیورو، دہلی، ۲۰۰۰ء ص حاشیہ ۲۱

(۲) نیر، ناصر عباس ''ہند پر مغرب کے اثرات''، مشمولا المعارف سہ ماہی، جولائی ۔۔دسمبر ۲۰۱۰ء، ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور

(۳) اس باب کے لیے زیادہ تر انحصار باری علیگ کی ''کمپنی کی حکومت'' اور حامد حسن قادری کی ''داستانِ تاریخِ اُردو'' پر کیا گیا ہے۔

(۴) ڈاکٹر عطش درانی، اُردو زبان اور یورپی اہلِ قلم، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۷ء ص ۷۵

(۵) نذیر آزاد ''اردو لغت نگاری: مستشرقین کا حصہ''، مشمولا اُردو لغت نویسی: تاریخ، مسائل اور مباحث، ڈاکٹر رؤف پاریکھ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء، ص ۲۵۳

(۶) افتخار حسین، آغا یورپ میں تحقیقی مطالعے، مجلسِ ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۷ء ص ۱۵۔۱۳

(۷) فتخار حسین، آغا مخطوطاتِ پیرس، ترقی اُردو بورڈ، کراچی، ۱۹۶۷ء

(۸) افتخار حسین، آغا یورپ میں تحقیقی مطالعے، مجلسِ ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۷ء، ص ۱۲۔۱۰

(۹) ڈاکٹر رضیہ نور محمد، اُردو زبان اور ادب میں مُستشرقین کی علمی خدمات کا تحقیقی جائزہ،، مکتبۂ خیابان ادب، لاہور، ۱۹۸۵ء، ص ۵۵

(۱۰) ڈاکٹر عطش درانی، اُردو زبان اور یورپی اہلِ قلم،، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۲۳

(۱۱) محمد عتیق صدیقی، گل کرسٹ اور اس کا عہد، انجمن ترقی اردو، دہلی، طبع دوم، ۱۹۷۹ء، ص ۲۱۔۲۰

(۱۲) ایضاً ص ۴۳

(۱۳) ایضاً، ص ۵۰

(۱۴) میر بہادر حسینی (مولف) قواعدِ زبان، اُردو، خلیل الرحمٰن داؤدی (مرتب)، مجلسِ ترقیِ ادب، لاہور، طبع دوم، ۲۰۰۷ء ص ۳۲۔۳۰

(۱۵) محمد عتیق صدیقی، گل کرسٹ اور اس کا عہد، انجمن ترقی اردو، دہلی، طبع دوم، ۱۹۷۹ء، ص ۷۰۔۶۹

(۱۶) ڈاکٹر مسعود ہاشمی، اُردو لغت نویسی کا تنقیدی جائزہ، ترقی اردو بیورو، دہلی، ۲۰۰۰ء، ص ۵۶۔۵۵

(۱۷) وارث سرہندی، کتبِ لغت کا تحقیقی ولِسانی جائزہ، (جِلد سوم)، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء

ص۱۹_۱۵

(۱۸) وارث سرہندی، کتبِ لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ، (جلد ہفتم)، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۵ء ص ۱۷_۹

(۱۹) افتخار حسین، آغا، یورپ میں اُردو، مرکزی اُردو بورڈ لاہور، ۱۹۶۸ء ص ۶۴_۵۰

(۲۰) پروفیسر ایس کے حسینی ''اُردو لغت نویسی اور اہلِ انگلستان'' مشمولہ سہ ماہی افکار، برطانیہ میں اُردو نمبر، شمارہ ۱۳۳، اپریل ۱۹۸۱ء، ص۱۶۲_۱۶۱

(۲۱)

(۲۲)

(۲۳)

(۲۴) جابر علی سیّد، کتبِ لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ، (جلد اول)، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۴ء ص ۲۱_۱۳

(۲۵) افتخار حسین، آغا، یورپ میں اُردو، مرکزی اردو بورڈ، لاہور، ۱۹۶۸ء، ص۷۰_۶۹

کتابیات

کتب

۱۔ ابوسلمان شاہجہانپوری (مرتب)، کتابیاتِ لغاتِ اُردو، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۶ء

۲۔ افتخار حسین، آغا، یورپ میں تحقیقی مطالعے، مجلسِ ترقیِ ادب، لاہور، ۱۹۶۷ء

۳۔ افتخار حسین، آغا، مخطوطاتِ پیرس، ترقی اُردو بورڈ، کراچی، ۱۹۶۷ء

۴۔ افتخار حسین، آغا، یورپ میں اُردو، مرکزی اُردو بورڈ لاہور، ۱۹۶۸ء

۵۔ باری علیگ، کمپنی کی حکومت، نیا ادارہ، لاہور، ۱۹۶۹ء

۶۔ جابر علی سیّد، کتبِ لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ، (جلد اول)، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۴ء

۷۔ حامد حسن قادری، داستانِ تاریخِ اُردو، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس، دہلی طبع سوم، ۲۰۰۷ء

۸۔ خلیل صدیقی، لسانی مباحث، زمرد پبلی کیشنز، کوئٹہ، ۱۹۹۱ء

۹۔ رضیہ نور، ڈاکٹر، اُردو زبان اور ادب میں مُستشرقین کی علمی خدمات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، مکتبہ خیابان، لاہور، ۱۹۸۵ء

۱۰۔ رؤف پاریکھ، ڈاکٹر (مرتب) اُردو لغت نویسی: تاریخ، مسائل اور مباحث، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء

۱۱۔ سمیع اللہ، ڈاکٹر، فورٹ ولیم کالج: ایک مطالعہ، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس، دہلی، ۱۹۸۹ء

۱۲۔ عبدالحق، مولوی، لغت کبیر

۱۳۔ عطش دُرّانی، اُردو زبان اور یورپی اہلِ قلم، سنگِ میل، لاہور، ۱۹۸۷ء

۱۴۔ گل کرسٹ اور اُس کا عہد، عتیق صدیقی، انجمن ترقی اُردو ہند، دہلی طبع دوم، ۱۹۷۹ء

۱۵۔ مسعود ہاشمی، ڈاکٹر، اردو لغت نویسی کا تنقیدی جائزہ، ترقی اردو بیورو، دہلی، ۲۰۰۰ء

۱۶۔ میر بہادر حسینی (مؤلف) قواعدِ زبان، اُردو، خلیل الرحمٰن داؤدی (مرتب)، مجلسِ ترقیِ ادب، لاہور، طبع دوم، ۲۰۰۷ء

۱۷۔ وارث سرہندی، کتبِ لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ، (جلد سوم)، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء

۱۸۔وارث سرہندی، کتبِ لغت کا تحقیقی ولِسانی جائزہ، (جِلد ہفتم)، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۵ء

رسائل وجرائد

۱۔افکار، برطانیہ میں اُردو نمبر، شمارہ ۱۳۳، اپریل ۱۹۸۱ء

۲۔المعارف، سہ ماہی، جولائی۔۔دسمبر ۲۰۱۰ء، ادارۂ ثقافتِ اسلامیّہ، لاہور

لغات

1. Badley, B.H, The Popular Dictionay, Brothers Publications, Lahore, 1993

2. Fallon, S.W, New Hindustani-English Dictionary, Lazarus And Co. Banaras, 1879

3. Forbes, Duncan, Dictionary, Hindustani & English, Wm. H. Allen & Co. London, 1866

4. Plates, John T. A dictionary of Urdu, Classical Hindi, And English, fourth impression, Crosby Lockwood And Son, London, 1911

5. Shakespear, John, Dictionary Urdu--English and English --Urdu, Sang-e-Meel Publications, Lahore, 1980

6. Whiteworth, George Clifford, Anglo-Indian Dictionary: A glossary, Sang-e-Meel Publications, Lahore, 1981

7. . Yule, Col. Henry: Burnell, A.C, Hobson-Jobson, Routledge and Kegan Paul Inc. sec. ed. 1986